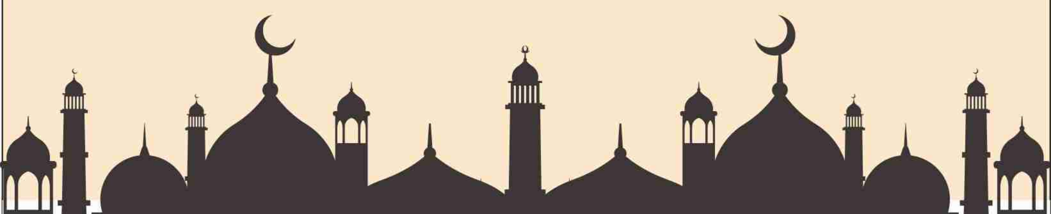


مجالس صبح گاہی

جلد دوم



عارف باللہ حضرت اقدس مولانا

مفتی عبدالرشید مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

خانقاہِ مسیح الامّت رح

لعل بازار و کھمبر سرینگر

جموں وکشمیر

نوشتہ دل سوز و پر اثر ہے، مجالس صبح گاہی واللہ

دوائے دل جان اور جگر ہے، مجالس صبح گاہی واللہ

مجالس صبح گاہی

جلد دوم

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی عبد الرشید مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت خانقاہ مسیح الامتؒ لعل بازار و کھمبر سرینگر جموں و کشمیر

نام کتاب: مجالس صبح گاہی جلد دوم

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی عبد الرشید مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

سنہ اشاعت: جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۴ء

تعداد صفحات: 200

کمپیوٹر کمپوزنگ: سہیل مسکین

قیمت:

ناشر: شعبۂ نشر واشاعت خانقاہِ مسیح الامتؒ لعل بازار وکھمبر

ملنے کے پتے:

خانقاہِ مسیح الامتؒ لعل بازار وکھمبر

رابطہ نمبرات: 7006275271,9796782483

مکتبہ مسیح الامتؒ دار العلوم بلالیہ لعل بازار سرینگر

رابطہ نمبر: 7006766914

صد گہربار و مزین ماہ پاروں سے کتاب
اہل بینش کے لئے یہ روز وشب کا ہے نصاب

ہے نصیب گل جہاں سے عشق افزائے سحاب
مہر ممنونِ ضیاء ہے باشعاعِ آفتاب

حضرتِ والا مسیحؒ و مرشدی شیخ حمید
مرشدانِ مردمانِ حق بنجانب انتساب

انتساب

احقران گزارشات کے خیر کے پہلو کا انتساب

مرشدی و مولائی مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ

(یکے از اجل خلفاء حکیم الامت تھانویؒ)

کی طرف کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔

جن کی صحبت اور روح پرور مجالس میں بسا اوقات اپنی تمام تر تقصیرات کے باوجود وہ اثرات محسوس کرتا تھا جن کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا حتی کہ کبھی کبھی لب ریزی تک معاملہ پہنچ جاتا۔

بقول حافظ شیرازیؒ کے:

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ حسن از پردۂ عصمت بروں آرد ذلیخا را

نیز مرشدی حضرت مولانا حمید اللہ صاحب دامت برکاتہم کی طرف

کہ حضرت جلال آبادیؒ کے بعد حضرت کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر حوصلہ افزائی پاکر گرتا پڑتا چلنے کی کوشش میں اللہ تعالیٰ سے امید باندھے استغفار کی توفیق پارہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ایمان اور اسلام پر جینا اور مرنا نصیب کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر عبد الرشید عفی عنہ

فہرست

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، اور اس جسدِ خاکی کے اندر ایسی گوناگوں خصائص ودیعت کر رکھی ہیں؛ جن خصائص و جواہر پاروں کا ظہور انسان کی جد وجہد اور مکمل ارادہ سے گاہ بہ گاہ ہوا کرتا ہے، ان ہی نعمت ہائے عظمیٰ میں سے مؤثر وعظ و خطابت، سحر آفریں تحریر و کتابت ہے؛ جس کی ایک کڑی کتاب "مجالس صبح گاہی" از عارف اللہ حضرت مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی اطال اللہ بقاءَ؛ بھی ہے۔

بفضل اللہ تعالیٰ "مجالسِ صبح گاہی" جلد اول کو اللہ پاک نے قبولیتِ عامہ عطا کر کے، عوام الناس میں مقبول عام فرمایا؛ جس کے باعث، کتابِ مذکور کی دوسری جلد بھی اب قارئین کرام کی نظر نواز کی جارہی ہے؛ الحمد للہ۔

اس موقع پر ہم ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں،

جنہوں نے حضرت والا کے مواعظ کو ریکارڈ کر کے محفوظ کیا خصوصاً محترم محمد زید صاحب (سلمہ اللہ) مزید ان احباب کا بھی جنہوں نے کتاب کو بغرض اصلاح پڑھا، اور اصلاحِ اغلاط میں خوب جد و جہد کی بطورِ خاص حضرت مولانا مفتی تنویر الاسلام صاحب (دام ظلہ)، حضرت مولانا منیر احمد صاحب ندوی (دام ظلہ) اور مفتی طارق حسین صاحب قاسمی بانہالی (حفظہ اللہ)؛ فجزاهم الله خيراً احسن الجزاء۔ ہم نے تصحیحِ کتاب و اصلاحِ اغلاط میں مقدور بھر محنت کر کے جلد دوم کو آپ محبین و قارئین کے سامنے پیش کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے، اس کے باوجود قارئین کرام دورانِ مطالعہ غلطی کی آگہی پر ہمیں ضرور اطلاع دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

اخیراً بارگاہِ خداوندی میں دعا ہے، کہ رب ذو الجلال "مجالسِ صبح گاہی" جلد اول کی طرح جلد دوم کو بھی قبولیتِ عامہ عطا فرما کر قارئین کرام اور پیش کنندگان کے لئے ہر اعتبار سے نافع بنائے۔ آمین ثم آمین

ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

اَمَّا بَعۡدُ:

مجالس صبح گاہی ان گذارشات کا مجموعہ ہے جو احقر کبھی کبھی نماز فجر پڑھانے کے فوراً بعد مصلیٰ پر بیٹھ کر ہی دعا سے پہلے مسجد بلال ؓ میں طلباء عزیز، حضرات اساتذہ کرام اور نماز فجر کے لئے تشریف لائے ہوئے حضرات کی موجودگی میں کرتا رہا۔ وہ بھی ہمیشہ نہیں بلکہ جب کوئی بات، کوئی عنوان نماز میں پڑھی گئی، کسی آیت کا خلاصہ، کسی حدیث شریف کا مضمون اچانک ذہن میں آتا اور اکثر اندر سے گزارش کرنے کا تقاضہ بھی ہوتا تو عرض کرتا۔

ان گزارشات کو کبھی کبھی مکرم مفتی فاروق احمد صاحب بلالی اور عزیزم سہیل مسکین جن کے ذمہ "اذان بلال ؓ" کی ترتیب و کتابت کا کام تھا، ریکارڈنگ کر کے دو ماہی ''اذان بلال ؓ'' میں ''صبح صبح'' کے عنوان سے شائع کرتے۔ بعد میں اس سلسلے کو عزیزم زید سلمہ نے بحسن خوبی آگے بڑھایا۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ ہمارے دو دوست عزیزم فیضان اور حمزہ جو وکالت کے پیشہ سے

تعلق رکھتے ہیں ان گزارشات کو کتابی شکل دے کر شائع کرنا چاہتے ہیں نیز ان گزارشات کے دوران جن آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی انہوں نے ان کے حوالہ جات تلاش کرنے کی ذمہ داری اپنے ایک ساتھی عزیزم عمران صاحب کو دے دی۔ جنہوں نے حوالہ جات تلاش کر کے عزیزم سہیل مسکین کے حوالہ کیا۔ بعد میں ان گزارشات کو کتابی شکل دے کر شائع کرنے کا ارادہ کیا جس کے لئے احقر سے اجازت طلب کی، احقر نے بھی مفید سمجھ کر بے تکلف اجازت دے دی۔ جس کے لئے مختلف نام ان دوستوں نے اپنی طرف سے تجویز کئے جن میں کہیں احقر کا نام آتا اور کہیں کوئی ایسا لفظ آتا جو احقر کے لئے باعث حجاب ہوتا۔ ایک دن اچانک احقر کے ذہن میں ''مجالس صبح گاہی'' نام آیا جو مناسب بھی معلوم ہوا، کیوں کہ یہ ساری گزارشات صبح صبح بعد نماز فجر کی گئی ہیں اور اسی مناسبت سے ''اذان بلالؓ'' میں صبح صبح کے عنوان سے شائع ہوتی رہی۔ ان گزارشات کا ایک حصہ ''مجالس صبح گاہی'' (جلد اول) کے نام سے دو بار شائع ہو چکی ہے۔ اب اسی نام سے ان گزارشات کا دوسرا حصہ (جلد دوم) قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان گزارشات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور احقر و قارئین کرام کے لئے ہر طرح سے مفید ثابت فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر (مفتی) عبدالرشید (مفتاحی)

خادم دار العلوم بلالیہ

کلمات بابرکت

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا حمید اللہ لون صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ و
حضرت مولانا شیخ نورالدین ترالی صاحبؒ

حامداً للہ مصلیاً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امابعد! دورحاضر میں انسان جسم پر بہت زیادہ محنت اور فکر کرتے ہیں اور روح کو پریشان سرگرداں چھوڑے ہوئے ہیں، روح پُراسرار حقیقت ہے جس کی کنہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتے ہیں، روح کا تعلق عالم بالا سے ہے، اسی کی برکت سے انسان زندہ رہتے ہیں اور اسی کے جانے سے یہ زندگی ختم ہوجاتی ہے۔ رب العالمین نے اپنے فضل سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور اس زریں سلسلے کو مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تمام فرمایا۔ حقیقتاً علم وعرفان، فہم وادراک کا تعلق روح ہی سے ہے، اس لیے مرنے کے بعد یہ مواہب ربانیہ موجود رہتی ہیں، کامیاب وہی ہے جو صحیح علم دین اور عمل صالح، معرفت الہیہ ، معیت الہیہ اور استقامت کے ساتھ حسن عبادت کا سلسلہ جاری رکھے۔ اس عظیم کام کو محکم بنانے کے لیے صحبت صالحین اور ان کے ارشادات بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، اللہ کا فضل ہے کہ مکرم ومحترم مفتی عبدالرشید صاحب حفظہ اللہ کے درد دل کی داستان ان کے تحریری کلمات میں مستور ہے، طالبین حق تعالیٰ کو ان شاء اللہ ضرور فائدہ ملے گا اور ان کے لئے یہ مبارک کام صدقہ جاریہ بنے گا۔ رب العالمین اپنی صحیح تڑپ، طلب، سوز وگداز شوق وذوق ہر ایک اہل ایمان کو نصیب فرمائے۔

خون جگر پیش خدمت ہے، ہے کوئی طلبگار، قدرداں

طالب حق: لون حمید اللہ

تقریظ

عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین صاحب القاسمی مخدومی

شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم سوپور کشمیر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اخلاق حمیدہ و اخلاق رذیلہ

تصوف وسلوک دین کا ایک اہم شعبہ ہے جو کئی ناموں کے ساتھ موسوم ہے، مثلاً علم القلب، علم الاخلاق، احسان، سلوک، طریقت وغیرہ، قرآن وحدیث میں اس کے لئے اکثر تزکیہ یا احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے، جب کہ عرف عام میں اس کے لئے تصوف یا پیر مریدی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن حقیقت ان سب کی ایک ہی ہے۔ جس طرح ہمارے ظاہری افعال شریعت کی نظر میں کچھ اچھے اور فرض، واجب، سنت، مستحب اور مباح ہوتے ہیں اور کچھ ناپسندیدہ حرام ومکروہ ہوتے ہیں، اسی طرح ہمارے باطنی اعمال کچھ اچھے اور کچھ بُرے ہوتے ہیں، مثلاً تقویٰ ، اللہ کی محبت، اخلاص، توکل، صبر وشکر، تواضع، خشوع، قناعت، حلم و بردباری، سخاوت، حیا، رحم دلی و غیرہ، ان باطنی پسندیدہ اخلاق کو فضائل اور اخلاق حمیدہ کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں تکبر، عجب، غرور، ریا، حب مال وجاہ، بخل، بزدلی، لالچ، دشمنی، حسد، کینہ، سنگ دلی، شہرت طلبی وشہرت پسندی، ہٹو بچو کا ماحول وغیرہ چیزیں، ان کو رذائل یا اخلاق رذیلہ کہتے

ہیں، ان خصائل حمیدہ اور اخلاق رزیلہ دونوں کا تعلق قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں کے ساتھ ہے۔

ظاہری اعمال اور باطنی اعمال دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ لیکن اگر غور سے دیکھیں تو چوں کہ تمام ظاہری اعمال (نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ) کی قبولیت کی بنیاد یہی باطنی احوال (اخلاص وغیرہ) ہیں، اس لئے باطنی اعمال کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اگر فضائل اور اخلاق حمیدہ (اخلاص وغیرہ) ہوں تو اعمال صحیح اور قبول ہیں، اور اگر اخلاق رذیلہ (ریا وغیرہ) ہو تو اعمال تباہ و برباد ہوتے ہیں، اس اعتبار سے باطنی اعمال کی اہمیت ظاہری اعمال کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اگر اخلاق حمیدہ (اخلاص وغیرہ) کے ساتھ اعمال تھوڑے بھی ہوں تو عنداللہ مقبول ہیں، اور اگر اخلاق رذیلہ کے ساتھ پہاڑ جیسے بھی ہوں تو ان کی کوئی اہمیت وحیثیت ہی نہیں ہے۔

تصوف وسلوک کا معنیٰ اور اس کی اہمیت

علم تصوف وسلوک کے ماہرین اس فن (باطنی اعمال کی اصلاح یعنی تصوف) کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں: **هو علم يعرف به أنواع الفضائل و كيفية اكتسابها وأنواع الرذائل و كيفية اجتنابها** تصوف وہ علم ہے جس سے اخلاق حمیدہ کی قسمیں اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ، اور اخلاق رذیلہ کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہو۔

جس طرح ہر مسلمان مرد وعورت پر ظاہری اعمال کو شریعت کے مطابق انجام دینے کے لئے ضرورت کے مسائل جاننا فرض عین ہے، اور پورے دین کو بصیرت و مہارت سے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق اخلاق حمیدہ کا علم

حاصل کرنا، پھران کے مطابق عمل کرنا، نیز اخلاقی رزائل کو جاننا، پھران سے بچنا فرض عین ہے۔ اور پورے علم تصوف میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا کہ اپنے علاوہ دوسروں کی بھی تربیت کر سکے، فرض کفایہ ہے۔ جس طرح قرآن کے ماہر کو مفسر، حدیث کے شارح کو محدث، فقہ میں کمال حاصل کرنے والے کو فقیہ و مجتہد، علم کلام میں مکمل بصیرت رکھنے والے کو متکلم، فن قراءت وتجوید میں کامل بصیرت رکھنے والے کو قاری ومجوّد کہتے ہیں، اسی طرح سلوک وتصوف کے ماہر کو صوفی، مرشد، شیخ یا عرف عام میں پیر کہتے ہیں۔ جس طرح ظاہری عبادات میں نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے کے لئے ایک راسخ فی العلم شخصیت کی ضرورت ہے، اسی طرح باطنی امراض میں مبتلا شخص کی اصلاح کے لئے ایک ماہر کی ضرورت ہے، اسی کا نام شیخ ومرشد ہے۔ تصوف، سلوک اوراحسان حقیقت میں رسمی پیر مریدی، اوراد و وظائف یا کشف نہیں ہے، بلکہ تزکیہ اخلاق وتصفیۂ قلوب کا نام ہے، اس لئے کسی شیخ، مرشد، بزرگ، ولی اور خدا دوست کی طرف رجوع کا اصل فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ان سے اخلاق باطنہ کے سنوارنے کی نیت بھی ہو، اور باضابطہ تربیت حاصل کرنے کے لئے کوشاں بھی رہے۔

پیر ومرشد کی ضرورت کیوں؟

قصیدہ بردہ کے مصنف علامہ محمد بن سعید البوصیری نے مرشد کی ضرورت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

من لی برد جماح من غوایتها　　کما یرد جماح الخیل باللجم

جس طرح سرکش گھوڑے کو لگام ڈال کر روکا جاتا ہے، اسی طرح کون ہے جو میرے نفس کو، اس کی سرکشی اور گمراہی سے، باز رکھے؟ شاعر نفس کو سرکش گھوڑے کے ساتھ

تشبیہ دے رہے ہیں جس طرح سرکش گھوڑے لگام کے بغیر کنٹرول میں نہیں رہتے ، اسی طرح نفس انسانی اصلاح کی لگام کے بغیر قابو میں نہیں آ سکتا ہے، اور اصلاح کی لگام لگانے والے کا ہی نام مرشد ہے۔

نفس انسان کا داخلی دشمن ہے جو خواہشات پر ابھارتا ہے، اس لئے نفس پر کنٹرول کرنے کی شریعت میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے، علامہ بوصیری نفس کو دودھ پینے والے بچے کی مانند قرار دیتے ہیں:

النفس کالطفل إن تُهمله شَب علی

حب الرضاع، وإن تفطمه يَنْفَطِمُ

نفس تو طفل شیر خوار کی طرح ہے، اگر تم اس کو دودھ پینے کا موقع دیتے رہو تو وہ (بڑا ہونے کے بعد بھی) دودھ پینے کی محبت میں جوان و بہادر ہوگا، اور اگر تم اس کو (آہستہ آہستہ) دودھ چھڑاؤ گے، تو وہ دودھ چھوڑ دے گا۔

یعنی مدت رضاعت پورا ہونے کے بعد اگر بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کی جائے تو وہ دودھ کو چھوڑ ہی دے گا، اگر چہ اس دودھ چھڑانے میں اس کو قدرے تکلیف بھی ہوتی ہے، اور اگر اس کو روکا نہیں گیا، تو چوں کہ اس کو ماں کا دودھ بہت پیارا ہوتا ہے، اس کا چسکا لگا رہتا ہے، تو وہ بڑی عمر میں بھی شوق سے دودھ پیے گا، حالاں کہ اب اس کے لئے دودھ پینا اور اس کو پلانا حرام ہے۔ یہی حال نفس افتادہ کا ہے، اگر اس کو تربیت کے ذریعے شروع سے ہی سدھارنے کی کوشش کی جائے تو وہ قابو میں رہتا ہے، اگر اس کو یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ خواہشات میں بڑھتا ہی جائے گا، پھر اس کو قابو میں کرنا مشکل ہوگا، اسی دودھ چھڑانے کی محنت کو احسان وسلوک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بیعت کی اصل حقیقت

بیعت کی حقیقت صرف یہ ہے کہ مرشد اور مرید کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مرید کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا سکھا دے گا اور مرید یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مرشد کے بتلائے ہوئے طریقے پر عمل کرے گا، مرید چوں کہ اپنے پیر کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے، اس لئے وہ بہت محتاط زندگی بسر کرتا ہے۔ مرشد و پیر مرید کے حالات کو دیکھ کر اس کے نفسانی رزائل کا علاج اپنے تجربات اور خداداد صلاحیت کی روشنی میں، مختلف طریقوں، مجاہدوں اور ریاضتوں سے کرتا ہے یہی بیعت کی حقیقت ہے، قرآن و حدیث سے جس طرح بیعت ایمان اور بیعت جہاد کا ثبوت ہے، اسی طرح بیعت اعمال کا بھی ثبوت ہے۔

بیعت کا مقصد چوں کہ اصلاح نفس امّارہ ہے، اور اپنے ظاہری و باطنی اعمال کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع زندگی کے ہر شعبے میں ہونے لگتی ہے تو بعض اشخاص کے ہاتھوں کچھ خرق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں، جن کو کشف کہا جاتا ہے، اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا عطیہ و انعام ہوتی ہیں، اصل مقصود نہیں ہوتی ہیں۔ اگر پابند شریعت مسلمان سے کوئی بھی کرامت ثابت نہ ہو جائے تو یہ اس کے ناقص ہونے کی دلیل نہیں ہے، اور اگر شریعت سے آزاد شخص سے کچھ خرق عادت چیزوں کا ظہور ہو تو یہ اس کے کمال کی دلیل نہیں ہے۔

تصوف و سلوک میں افراط و تفریط اور راہِ اعتدال:

جس طرح ظاہری احکام میں بعض چیزیں فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح،

حرام اور مکروہ ہوتی ہیں، اسی طرح باطنی امور (اخلاص، صبر و شکر، تواضع وقناعت، حلم و سخاوت، حب جاہ، حب مال، لالچ، دشمنی، حسد، بغض، کینہ، تکبر، شہرت پسندی وغیرہ) میں بعض امور فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام ومکروہ وناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ ظاہری احکام میں چوں کہ ان درجات کی رعایت کافی حد تک ہوتی ہے، اس لئے وہاں افراط وتفریط کم ہوتا ہے، لیکن باطنی احکام میں ان درجات کی رعایت نہ کرنے، یا نہ ہونے سے بہت زیادہ افراط وتفریط ہوتا ہے، جس کی وجہ سے گمراہیاں پھیلتی ہیں، اور نادانی کی وجہ سے ان گمراہیوں کو عروج وکمال سمجھا جاتا ہے، اور اکثر لوگ اس آیت کا مصداق بنتے ہیں: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (الکھف: ۱۰۳،۱۰۴)[1]

ایک طرف ایک طبقے نے مدعیان ارشاد وتصوف کی خودساختہ غیر شرعی چیزوں کا مشاہدہ کر کے تصوف سے مکمل بے زاری کا اعلان کیا، اور تصوف کو دین سے خارج، بلکہ اس کو الحاد وزندقہ قرار دے کر صرف ظاہری شریعت پر عمل کو نجات کے لئے کافی قرار دیا، اور اسی طبقے میں ایک محتاط گروہ نے اگرچہ تصوف کو دین سے خارج قرار نہیں دیا، لیکن اس کو صرف مباح یا مستحب درجہ تک محدود رکھا اور تصوف کو درجات کی بلندی کا سبب تو قرار دیا، لیکن نجات کو صرف ظاہری اعمال پر موقوف قرار دیا۔ یہ دونوں نظریات شدید گمراہی کا باعث ہیں، اگر معمولی غور وفکر سے کام لیا جائے تو ان کی یہ گمراہی بہت عیاں ہے۔ مثلاً "انما الاعمال بالنیات" حدیث شریف نے صاف الفاظ میں واضح کیا کہ نیت کا صحیح ہونا کتنا ضروری ہے، نیت کی خرابی کی وجہ سے بڑی بڑی

۱۔ ترجمہ: کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

عبادتیں (مثلاً مجاہد کی شہادت، سخی کی سخاوت، علم والے کا علم بھی جہنم کا باعث بنتی ہیں (العیاذ باللہ) اسی طرح حسد، بغض اور ریا کاری کو نصوص شرعیہ میں بطلان اعمال کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

دوسری طرف جاہل مدعیانِ تصوف کی گرم بازاری ہے، جنہوں نے تصوف اور طریقت کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے، ظاہری احکام شرعیہ سے بے زاری اختیار کی ہے، اور اس بات کی خوب تشہیر کی کہ شریعت بہت الگ چیز ہے اور طریقت راہِ دیگر ہے، ان کا فاسد خیال یہ بھی ہے کہ ظاہری شریعت میں اگرچہ چیزیں حرام ہیں، لیکن فقیری میں جائز ہیں، اس معروف جملے "بہ مئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید"[1] سے کتنی حرام چیزوں کو ان بدنصیب لوگوں نے حلال قرار دیا، حالاں کہ اس کا مصداق اورنگ زیب عالم گیرؒ کا معروف واقعہ ہے، جو صاحب طریقت وصاحب شریعت اور صاحب نسبت تھے، اسی طرح ان بدخواہ لوگوں نے اس غلط جملے "تصوف راز سینہ بہ سینہ ہے" کی وجہ سے تصوف کے نام پر عام لوگوں کو الحاد و بے دینی کی راہ پر کھڑا کیا ہے۔

اس لئے کچھ نام نہاد تصوف کے دعوے دار لوگوں نے تعویذ گنڈوں کو اصل قرار دیا، کچھ لوگوں نے مریدوں سے نذرانے وصول کرنے کا نام تصوف رکھ دیا، کسی نے پیر سے بیعت ہونے کو جنت کا سرٹیفکیٹ سمجھ لیا، کچھ لوگوں نے گانے بجانا، قوالی، یہاں تک کہ افیوں جیسی حرام چیزوں کو رضائے الٰہی کا سبب قرار دیا، کسی نے پیر سے تعلق کو محشر میں نجات وسفارش کا ذریعہ سمجھ لیا، کسی نے دل کی خاص دھڑکنوں، خوابوں، تسبیحات، وظائف، ریاضتوں، چلہ کشی، رہبانیت اور ترک دنیا کو ہی طریقت وسلوک کی معراج قرار دیا، کچھ لوگوں نے ایسے مریدوں کو قربانی کے بکرے کی طرح پال رکھا

---

[1] ترجمہ: تو مصلّٰی (جائے نماز) شراب سے رنگ لے، اگر تجھے پیر مغاں کہے۔

ہے جو پیر کی خواہ مخواہ کی کرامتیں نقل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، کچھ مریدان باصفا جھوٹے خواب بیان کر کے، پیر صاحب کو دھوکہ دے کر، پیر صاحب کا دماغ ہی خراب کرتے ہیں۔ حالاں کہ شریعت کے کسی حکم میں افراط ہے نہ تفریط ہے، تو تصوف جیسے عظیم کام میں کیوں کر افراط و تفریط ہو سکتا ہے ؟ شریعت و طریقت الگ الگ نہیں ہیں۔ دین میں دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کا حکم ہے، اگر شریعت جسم ہے تو طریقت روح ہے، تصوف ظاہری شریعت کے بغیر دھوکہ ہے، اور ظاہری شریعت طریقت کے بغیر بے جان ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: شریعت بغیر طریقت نرا فلسفہ ہے، اور طریقت بغیر شریعت زندقہ و الحاد ہے۔ شیخ سہروردی فرماتے ہیں:

كل وجد لا يشهده الكتاب والسنة فباطل

(جس وجدی کیفیت کی دلیل قرآن وسنت میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ تصوف میں ہمیشہ افراط و تفریط رہا، لیکن اللہ کے فضل سے ہر زمانے میں، زمانے کے معیار و مذاق کے مطابق "اھل اللہ" موجود رہیں گے، اس گئے گزرے زمانے میں اگر حضرت حسن بصریؒ، جنید بغدادیؒ، صابر کلیریؒ، خواجہ نظام الدینؒ، پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ، محبوب عالم سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومیؒ جیسوں کا ملنا بہ ظاہر مشکل ہے، لیکن سنت الٰہی کے مطابق آج کا زمانہ بھی ان صالحین و مصلحین کے بابرکت وجود سے خالی نہیں ہے، جو افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ کے لئے ممکنہ جدو جہد کرتے ہیں۔

میں بغیر کسی انکساری و تواضع کے اس حقیقت کا برملا اظہار کرتا ہوں کہ تزکیہ کے میدان میں احقر معمولی راہ رو بھی نہیں ہے، اور اس کوچے سے قطعاً نابلد ہوں، البتہ اس راہ کے راہ رو

فیض رساں حضرات سے محبت رکھتا ہوں۔

أحب الصالحين ولست منهم لعل الله يرزقني صلاحا[1]

اسی لئے اس راہ پر چلنے کا ارادہ رکھنے والوں کی اُن حضرات کی طرف رہنمائی کرتا رہتا ہوں۔

اس وادی گل پوش (جس کو عام طور پر "پیرو آری" یعنی مرشدوں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے) میں ہمیشہ کی طرح آج بھی گم گشتہ راہ لوگوں کی تربیت کے لیے صالحین موجود ہیں، جن میں ہمارے رفیق محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب، مہتمم دارالعلوم بلالیہ چند در چند خصوصیات کی بناء پر ایک اہم اور ممتاز مقام اللہ کے فضل وکرم سے حاصل کر چکے ہیں، ان خصوصیات کا تذکرہ اس وقت نہ مناسب ہے، اور نا ہی رفیق محترم کا مذاق اس کو پسند کرتا ہے، "لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً"[2] کہنے کو تو ہم ان کو رفیق کہتے ہیں، لیکن ایک شاعر نے رفاقت کے مراتب کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے، میں اُن سے وہ شعر مستعار لے کر ان کا اور اپنا تعارف پیش کرتا ہوں:

ماو مجنوں ہم سفر بودیم در دشت عشق   او بہ منزل ہا رسید و ما ہنوز آوارہ ایم[3]

یہ صرف اللہ کا فضل اور بزرگان دین، خاص طور پر حضرت مسیح الامتؒ کی بابرکت صحبت کا نتیجہ ہے۔ رفیق محترم امراض باطنہ کی اصلاح کے لیے مغتنم ہی نہیں بلکہ موفق بھی ہیں، ایک اچھی خاصی تعداد ان سے تربیت وفیض حاصل کرتی آئی ہے۔

مجالس صبح گاہی: ایک خاکہ، کچھ تراشے:

تربیت واصلاح کے، مشائخ کے ہاں، مختلف انداز ہیں، جن میں اہم ترین چیز وعظ و

---

[1] ترجمہ: مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے، اگرچہ میں خود نیک نہیں ہوں شاید اللہ مجھے بھی نیکی کی توفیق دے۔

[2] ترجمہ: شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

[3] ترجمہ: ہم اور مجنون عشق کے صحرا میں ہم سفر تھے، وہ تو منزل تک پہنچ گیا اور ہم ابھی تک آوارہ ہیں۔

نصیحت وتذکیر ہے۔ وعظ وتبلیغ کا اصل مقصد سالکین کی زندگی میں دین کا صحیح مزاج و مذاق پیدا کرنے کی ترغیب ہوتی ہے، اس لیے مرشد کسی ایک موضوع کا پابند نہیں ہوتا، مرشد، مسترشد کے احوال وکوائف کو مدنظر رکھتے ہوئے، دین کے مختلف گوشوں کو اس طرح واضح کرتا رہتا ہے کہ مجلس کے اختتام پر مسترشد اپنا دامن وسیع معلومات کے ساتھ جذبہ عمل و اصلاح سے بھر کر اٹھتا ہے۔ رفیق محترم، عرصے سے اپنے متعلقین کو فجر کے بعد، ضرورت کے مطابق مختلف عنوانات کے تحت، پند ونصائح کرتے رہتے ہیں، جو مختصر مگر جامع و مدلل ہوتے ہیں، طالب صادق حضرات ان قیمتی مضامین کو اس نیت سے جمع کرتے ہیں کہ جو نفع ہمیں ہوا، دوسرے حضرات بھی اس سے متمتع ہو جائیں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک "لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه[1] کی تعمیل بھی مقصود ہے،، ان ضبط شدہ مجالس کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے، اس وقت دوسری جلد میرے سامنے ہے، پورے اشتیاق سے پوری تحریر کو پڑھا، پڑھتے دوران بعض مقامات پر، اپنے اعمال کو دیکھ کر، بے اختیار آنسو قابو سے باہر آ گئے، ہر عنوان کے تحت بیان کردہ مضامین لطافت کے ساتھ تاثیر بھی لیے ہوئے ہیں، کیوں کہ بیان میں ہم دردی کا پہلو زیادہ نمایاں ہے،، جی چاہتا تھا کہ ہر عنوان کے تحت مضامین کا کم از کم خلاصہ لکھوں، لیکن طوالت کے اندیشے سے پھر قلم روک لیا، البتہ بعض مضامین میں کچھ اہم باتیں ایسی ہیں، جن کی طرف کم از کم اشارہ کرنے کا طبیعت تقاضا کرتی ہے، شاید دوران مطالعہ قاری بھی دل جمعی کے ساتھ کچھ اثر قبول کرے مثلاً:

چھٹی مجلس: "چار طرح کی سوچ" بہت ہی زیادہ پُر تاثیر ہے، اس کو پڑھ کر اپنی زندگی کا سرسری جائزہ لینے کو جی چاہتا ہے۔

ساتویں مجلس: "غصہ پر قابو" میں طالب علم کے پیر پکڑ کر روتے ہوئے معافی مانگنے

---

[1] تم میں سے کوئی تب تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

کا معاملہ آج کے زمانے میں کسی کرامت سے کم نہیں، اس پر مجھے وہ حدیث یاد آئی، جو حضرت امام بخاری نے "الأدب المفرد" میں لکھی ہے: حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف فرما تھے اور خادم کو کسی کام کے لیے بلایا، اس نے آنے میں دیر کی، آپ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمودار ہوئے، اُم سلمہ نے پردے کے پاس جا کر دیکھا کہ خادم اپنے کھیلنے میں مشغول ہے، اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک مسواک تھا، آپ نے خادم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اگر قیامت کے دن مجھے بدلے کا خوف نہ ہوتا، تو میں تجھ کو اس مسواک سے مارتا۔

آٹھویں مجلس: "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" عنوان کے تحت مضمون الہامی معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر ص ٦٦ کے آخر میں یہ عبارت: کون ہے جو دنیا میں کامیابی حاصل کرنا نہیں چاہتا الخ۔

بارویں مجلس: "دنیا میں سردی سے بچنے کی فکر اور آخرت کی آگ سے بچنے میں بے فکری" والا مضمون پڑھ کر آخرت کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے۔

تیرویں مجلس: "جھوٹ ایک بہت بڑا گناہ ہے" کے عنوان کے تحت آج کے زمانے میں اس شائع بیماری کی نشان دہی کی گئی ہے، جس سے معاشرے میں کوئی کوئی ہی بچتا ہوگا، ذرا اس میں یہ اقتباس پڑھیں: "بعض مرتبہ ایک آدمی سے کوئی جھوٹی خبر شائع ہوئی ہے"۔ الخ

چودویں مجلس: "ذکر وفکر" والا مضمون لائق مطالعہ ہے۔ ص 92 کی آخری سطور: رب کائنات نے سانس کا سسٹم ... الخ پر غور کر کے شکر کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔

سترہویں مجلس: "ہونے اور نہ ہونے کا احساس" والا مضمون ناشکری اور نا قدری کے جذبے کو بہت حد تک محدود کر سکتا ہے، ان شاء اللہ

اٹھارویں مجلس: میں امتحان گاہ والا مضمون محتاط زندگی گزارنے کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" کی بہت عمدہ، بلکہ نرالی تشریح بالکل صاف اور سہل انداز میں کی گئی ہے۔

"علم دین سب سے عظیم نعمت ہے" پورا مضمون لطافت در لطافت لیے ہوئے ہے۔

"نعمتوں کا صحیح استعمال" اگر تنہائی میں زیر مطالعہ رکھیں، تو شاید کوئی سنگ دل ہی اپنے آنسووں پر کنٹرول کر سکے۔

"دنیا میں چلنے کے مختلف راستے" قدرے طویل ہے، لیکن بہت جامع اور فکر انگیز ہے، فرشتوں کی نگرانی کا استحضار، سنبھل کر زندگی گزارنے کے لیے بہت سبق آموز ہے۔

تقوی کا مضمون حوصلہ بخش ہے۔

"توبہ میں دیر نہیں" کے مضمون کو افسر و ماتحت کی مثال سے عمدہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں **"احسان فراموشی"** کا عنوان ایک قاری میں مسئولیت والی زندگی کی ترغیب دیتا ہے۔

یہ صرف اشارات ہیں، ورنہ تمام سبق آموز اور بصیرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جی تو چاہتا ہے کہ ان مضامین کو کوئی اچھی اور دل کش آواز میں صدا بند کرے، پھر تنہائی یا سفر میں حسب موقع ان مضامین کو سنتے رہیں، تو شاید فائدہ متعدی ہو!

یہ زندگی چیز کیا ہے؟ انسان زندگی گزارنے کے لیے کیا پلان اور منصوبے بناتا ہے، اور رب العالمین کا فیصلہ کس عجیب انداز میں سامنے آتا ہے؟ کسی شاعر نے کیا خوب اس کو بیان کیا ہے:

عليك بتقوى الله ان كنت غافلا	يأتيك بالأرزاق من حيث لا تدري
اللہ کا خوف پیدا کرو اگر تم غفلت میں پڑ گئے ہو	اللہ تمہیں وہاں سے رزق دے گا جہاں تمہیں گمان بھی نہ ہو

فكيف تخاف الفقر والله رازقا — فقد رزق الطير والحوت في البحر
تمہیں فقر کا ڈر کیوں کر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے — وہ تو پرندوں اور مچھلیوں کو سمندر میں رزق پہنچاتا ہے

ومن ظن أن الرزق يأتي بقوة — ما أكل العصفور شيئا مع النسر.
اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ رزق طاقت کی بنیاد پر ملتا ہے — گدھ کے ہوتے ہوئے چڑیا کو ایک دانہ نہ ملتا

تزول عن الدنيا فإنك لا تدري — إذا جن عليك الليل هل تعيش إلى الفجر
تو دنیا سے کنارہ کش ہو جا، کیونکہ تو نہیں جانتا — کہ رات چھا جانے کے بعد تو صبح تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں

فكم من صحيح مات من غير علة — وكم من سقيم عاش حينا من الدهر
کتنے تندرست لوگ بغیر کسی بیماری مر گئے — اور کتنے ہی مریض ایک زمانے تک جیئے

وكم من فتى أمسى وأصبح ضاحكا — وأكفانه في الغيب تنسج وهو لا يدري
اور کتنے نوجوان ہنستے ہوئے صبح و شام کرتے ہیں — اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کا کفن تیار ہے

فمن عاش ألفا وألفين فلا بد — من يوم يسير فيه إلى القبر
اگر کوئی شخص ہزار یا دو ہزار سال بھی جی لے — پھر بھی ایک دن ضرور قبر میں جانا ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کے مطابق زندگی بسر کرنے، اور اپنے بزرگوں کی جیتے جی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور رفیق محترم کے ان ارشادات کو ہم سب کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد مظفر حسین قاسمی (صاحب دامت برکاتہم)

۱۳ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ

تقریظ

عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی نذیر احمد صاحب القاسمی
شیخ الحدیث دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ جل شانہ نے انسان کو جو بے شمار صفات اور صلاحیتیں عطا فرمائیں ہیں ان میں ایک اہم ترین صلاحیت قوتِ بیان اور صفتِ کلام بھی ہے۔منہ کے اندر پایا جانے والا ایک نرم و نازک عضو جو قدرت خداوندی کی صفتِ تخلیق کا شاہکار ہے یعنی زبان، یہ کتنے اہم ترین انجام دینے والا عضو ہے۔

ذائقہ کا تمام تعلق اسی عضو سے ہے اور انسان کے بولنے کا عمل بھی اسی سے انجام پاتا ہے۔

انسان کی صفت نطق کا اظہار اسی زبان سے ہوتا ہے اگر زبان ہو اور بولنے کی صلاحیت سے محروم ہو تو وہ انسان گونگا کہلاتا ہے اور گونگا ہونا کتنی مشکلات کا سبب ہے یہ محتاج بیان نہیں۔قرآں کریم میں اللہ جل شانہ نے اس عطا ہونے والی قوت تکلم کو یوں ارشاد فرمایا:

الرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

رحمٰن نے قرآن سکھایا۔انسان کو اسی نے پیدا کیا اور اسے بیانی یعنی بولنا سکھایا۔

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

اَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾

کیا ہم نے اس انسان کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ عطا نہیں کئے؟

انسان کو ملی ہوئی یہ زبان ساری زندگی بولنے کا کام کرتی ہے۔ اس کو نہ تھکان ہوتی ہے، نہ اکتاہٹ، نہ غفلت نہ کوتاہی۔ یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کو کیا کیا بولنے کے لئے استعمال کرے۔

سید الاولین والآخرین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے۔

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحيَيْهِ، وَمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ

جو شخص مجھے ضمانت دے گا اپنے ان دو اعضاء کے متعلق کہ ان کو غیر شرعی استعمال نہیں کرے گا میں اسے ضمانت دیتا ہوں کہ وہ جنت میں ہوگا۔

وہ دو اعضاء یہ ہیں۔ ایک زبان اور دوسرے شرمگاہ۔

زبان کا صحیح استعمال کس کس طرح خیر کا ذریعہ ہوتا اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور اس کے غلط استعمال کے جو مفاسد ہیں وہ بھی حد شمار سے باہر ہیں۔

حقیقت اکثر خرابیاں زبان کی غلط استعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں اور یہ زبان ہی ہے کہ جس کے ذریعہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہونچایا اور اسی زبان کے ذریعہ ہر ہر عہد میں علماء، صلحاء، مرشدین، مصلحین، واعظین امت کی دینی، اخلاقی واصلاحی تربیت کا کام انجام دیتے آئے ہیں۔

ما شاء اللہ وتبارک اللہ سبحانہ ہمارے رفیق محترم سلسلہ تھانوی کے گل سر بند حضرت مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ کے مسترشد اور فیض یافتہ دار العلوم بلالیہ کے بانی اور بے شمار اوصاف وصفات سے متصف حضرت مولانا مفتی عبد الرشید صاحب دامت فیوضہم کے وہ مختصر بیانات جو موصوف عموماً نماز فجر کے بعد مجمع میں ارشادات فرماتے ہیں ان بیانات کا ایک مجموعہ اسی نام سے اس سے پہلے شائع ہوا ہے اور بے شمار اصحاب طلب کے لئے مفید ثابت ہوا ہے۔ اب یہ دوسرا مجموعہ اسی نام سے جلد دوم کے طور پر منصۂ شہود پر آرہا ہے، اور وہ اصلاح وارشاد کے

اسی منہاج پر ہے جو اہل حق واصحابِ ارشاد کا امتیاز ہے۔ یہ بیانات از دل شیز د بر دل خیر د کے قبیل سے ہیں ان میں جذبہ اصلاح ہے۔ عیوب کی تشخیص ہے اور پھر ان کو دور کرنے کی ترغیب ہے۔ نفسِ انسان میں پائے جانے والے نقائص کی تعیین ہے اور ان کی تطہیر کی تحریض ہے۔ یہ بیانات شریعت کے مزاج و منہاج کی روشنی میں نہایت مفید و نافع ہیں۔

ان میں طنز و تعریض نہیں، تنقید و تردید نہیں، بس فرق صرف تربیت و ارشاد ہے۔ یہ بیانات ہر ہر طبقہ کے لئے افادات کا ذریعہ ہیں یہ فردِ انسان کے اندر پائے جانے والے نقائص کی تطہیر کے لئے آبدار جواہر ہیں۔ اس کی پہلی جلد "مجالس صبح گاہی" کے نام سے شائع ہوئی اور کثیر تعداد میں شائقین و طالبین کے لئے روحانی و اخلاقی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ اس پر بہت سارے اہل قلم کی تقریظات شامل ہیں اب یہ دوسری جلد ہے جو اسی نام سے شائع ہورہی ہے۔ بندہ راقم نے بھی ان ارشادات سے نفع اٹھایا اور اپنی بہت ساری کوتاہیوں کو دور کرنے کا جذبہ ابھرا۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو مفید بنائے اور اس کی اشاعت کا نظم کرنے والے تمام حضرات کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ان اصلاحی ارشادات کا سلسلہ مزید جاری رہے۔

اس موقعہ پر قارئین و مستفیدین سے بڑی لجاجت اور دلسوزی سے یہ بات عرض کرنے کی جسارت کی جارہی ہے کہ کسی بھی اصلاحی مجلس میں کسی بھی وعظ و ارشاد کی محفل میں شرکت کی سعادت ملے یا کوئی دینی علمی اصلاحی کتاب پڑھنے کا موقعہ ملے تو اپنی نیت اور ارادہ بہتر، درست اور مفید بنانے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی نفع متوقع ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مرض کا خدانخواستہ شکار ہوجائے اور وہ معالج چاہے ڈاکٹر ہو یا

حکیم کے پاس جائے اور معالج نے تشخیص مرض کے بعد مریض کو نسخہ لکھ کر دیا جس میں استعمال ہونے والی دوائیاں اور ساتھ کھانے پینے کی اشیاء میں پرہیز کی تفصیل ہو تو دنیا کا کوئی بھی مریض صرف سرسری طور پر نسخہ کا مطالعہ کر کے ایک طرف نہیں رکھتا بلکہ ہر مریض بڑی فکر مندی سے نسخہ علاج کو پڑھتا ہے اور استعمال ہونے والی دوائیوں کو سمجھتا ہے۔ یاد رکھتا ہے اور طبیب کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق دواؤں کے استعمال کا عزم بھی کرتا ہے اور عمل بھی اور ساتھ ہی طبیب نے جن چیزوں کا پرہیز بتایا ہو بڑے جذبہ عمل کے ساتھ ان تمام اشیاء کو ذہن میں بٹھاتا ہے اور اہتمام سے ان چیزوں کا پرہیز کرنا اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔

بس جس جذبہ سے انسان اس جسمانی امراض کے نسخہ کو پڑھتا ہے اگر اسی طرح کے عزم اور ارادہ اور ایسی ہی واضح نیت کے ساتھ انسان دینی مجالس کے اصلاحی مواعظ وملفوظات کو سنے اور اس طرح پختہ جذبہ سے مفید علمی و دینی کتابوں کو پڑھے تو نفع پہونچنے میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔

بس انہی شکستہ حروف کے ساتھ اس حقیر تحریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں اللہ جل شانہ اس کا نفع عام بھی فرمائے اور تام بھی فقط۔

العبد

(حضرت مولانا مفتی) نذیر احمد (القاسمی) عفی عنہ

(صدر المفتی دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)

تقریظ

عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم المصطفوی بارہمولہ کشمیر

باسمہ تعالیٰ شانہ

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد!

احقر کو حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی دامت برکاتہم کے نہایت قیمتی، ایمانی واحسانی مواعظ "مجالس صبح گاہی" جلد دوم کے متعلق کچھ لکھنے کا حکم ملا، اگرچہ میری علمی وعملی حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لکھنے کے بجائے مجھے ان علمی و اصلاحی جواہر پاروں پر اللہ پاک کے فضل وکرم سے اخلاص کے ساتھ عمل نصیب ہوجاتا تو یہی میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے تاہم حکم کی تعمیل میں ان مواعظ حسنہ کی ورق گردانی سے جو اثرات بلاتکلف محسوس ہوئے وہ عرض کردیتا ہوں۔

(1) اس قسم کی مبارک مجلسیں اُمت مسلمہ کے عوام وخواص کے لئے اگرچہ پہلے زمانے سے ہی اہم ترین ضرورت سمجھی جاتی تھیں مگر آج کے اس پُرفتن دور میں اس طرح کی مجالس ہمارے ایمانی ودینی وجود کے لئے شاہ رگ سے بھی زیادہ اہم ہیں اور ان کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی وہ خوفناک مناظر دینی واخلاقی لحاظ سے

ہماری تباہی و رسوائی کا باعث بن رہے ہیں جو آج چاروں طرف ہمیں بہ کثرت نظر آ رہے ہیں۔

(2) کسی نے کیا خوب کہا ہے:

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کُہن کا چارہ

خانقاہوں میں زیادہ توجہ اس دلِ مردہ کو زندہ کرنے پر ذکر، فکر، مراقبہ، محاسبہ اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعہ دی جاتی ہے اور اللہ پاک کا نہایت ہی فضل و کرم ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے ان مواعظ و مجالس میں اس سلسلے کا بھرپور مواد موجود ہے۔ اللہ پاک قدر دانی نصیب فرمائے۔ آمین۔

(3) چونکہ ہر کلام میں متکلم کا اثر اور پَرتَو صاف اور واضح نظر آتا ہے:

در سخن پوشیدہ ام چوں بوئے در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اس لحاظ سے لکھا جائے تو ان مجالس میں حضرت مفتی صاحب کی قلبی پاکیزگی اور باطنی کیفیت اور از دل خیزد و بر دل ریزد والی صورتحال نمایاں محسوس ہوتی ہے جو سینہ بہ سینہ انہیں اپنے اکابر و مشائخ سے بحمد للہ و بفضلہٖ حاصل ہوئی ہے اور وہ اسے اپنے سامعین و مسترشدین میں منتقل کرتے نظر آتے ہیں جو فرمان خداوندی "كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" اور المرء علی دین خلیله کے ارشادِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل کی بہترین صورت ہے اور جس سے امید ہے کہ ہماری موجودہ نسل اور نوجوانوں میں جو صحبت بد اور غلط ماحول کی وجہ سے مضر اثرات اور بدترین ایمانی، علمی و عملی اور

اخلاقی بگاڑ پیدا ہوگیا ہے اس کا بہت موثر طور پر ازالہ ممکن ہوسکے گا۔ و ما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(4) مجالس صبح گاہی جلد اول و دوم کے عنوانات سب کے سب ماشاء اللہ بہت اہم، جامع، وقت کی ضرورت اور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں ایک طرف دریا کو کوزے میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اور دوسری طرف رطب و یابس سے بچ کر مستند اور تحقیقی موادکو پیش کیا گیا ہے خصوصاً قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ کے حوالے بکثرت پائے جاتے ہیں جن کی نورانیت اور تاثیر ہر بشری کاوش سے بڑھ کر اور برتر ہے اور جو صراط مستقیم اور منعم علیھم حضرات کا اصل راستہ ہے، اس لئے اگر ہمارے ائمہ کرام اور واعظین حضرات غیر مستند باتوں کے بجائے انہی مجالس کے مضامین مساجد اور مجلسوں میں سنا دیا کریں تو بہت زیادہ نفع کی توقع ہے ورنہ آج کل سنی سنائی اور غیر مستند باتوں کی اس قدر بھر مار ہوتی ہے کہ لوگ تلاش حق اور اہل حق کی پہچان میں سرگرداں و حیراں ہو گئے ہیں۔

میری دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ پاک ان مجالس کو پوری قوت و شان کے ساتھ جاری و ساری فرمائے اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور دیگر اکابر کا سایہ بعافیت و رشد و ہدایت تادیر قائم رکھے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ والسلام۔

احقر (مفتی) عبدالرحیم (صاحب القاسمی) عفی عنہ

(مہتمم دارالعلوم المصطفوی بارہمولہ کشمیر)

تقریظ

عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی ارشد صاحب بجھیڑی

مہتمم جامعۃ الابرار بجھیڑی (خلیفہ ارشد محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ

باسمہ تعالیٰ

محبِ مکرم گرامی قدر جناب مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی زید مجدھم موفق للخیر اہل علم و اہل صلاح حضرات میں سے ہیں۔ ماشاء اللہ تعالیٰ مختلف ومتنوّع قسم کی دینی واصلاحی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ امت کی اصلاح کا بھی فکر و درد رکھتے ہیں، جو انہیں بزرگوں کی صحبت سے بالخصوص ہمارے حضرت والا حضرت اقدس مسیح الامت شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی قُدِّس سرہ کی طویل عرصہ کی صحبت ومعیت سے ورثہ میں ملا ہے۔

اسی سلسلۂ اصلاح کی ایک کڑی موصوف کی وہ مجالس بھی ہیں جو گاہ بگاہ موصوف کے مدرسہ دارالعلوم بلالیہ کی مسجد میں بعد نمازِ فجر منعقد ہوتی ہیں جن میں حسبِ ضرورت مقتضائے حال کے مطابق موصوف مختصراً چند منٹ دینی واصلاحی باتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ ان کی ایک قسط افادہ کو عام کرنے کے لئے مجالسِ صبح گاہی کے نام سے پہلے شائع بھی ہوچکی ہے۔ جس اہل علم حضرات نے پسندیدہ نظر سے دیکھا ہے اور سراہا ہے اور اس پر اپنی تقریظات بھی ثبت فرمائی ہیں۔ اب یہ دوسری قسط اشاعت کے لئے تیار ہے جس کا مسودہ احقر کے پاس بھیجا گیا ہے، احقر نے چند مقامات سے دیکھا اور پڑھا ماشاء اللہ مفید ونافع پایا، موصوف کی خواہش ہے کہ یہ احقر بھی اس پر کچھ تحریر کردے۔ بندہ کا معمول اس قسم کی تقریظات لکھنے کا نہیں ہے مگر موصوف کی خاطر بھی عزیز ہے اوران کی خواہش کا احترام بھی اس لئے ان کی دلجوئی کے لئے یہ چند سطور تحریر کردیں، دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان مجالس کوعوام وخواص سب کے لئے مفید ونافع بنائیں۔ انہیں مفتی صاحب موصوف کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور موصوف کومزید دینی وصلاحی کاموں کے لئے موفق فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

املاہ العبد محمد ارشد عفی عنہ
خادم مدرسہ جامعہ الابرار بجھیڑی ضلع مظفر نگر

کلمات بابرکت

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ مفتاحی صاحب دامت برکاتہم

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْن ۔ أما بعد:

حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی زید مجدہم مہتمم جامعہ بلالیہ، سری نگر کشمیر سے متعدد بار سری نگر کشمیر کے سفر کے دوران ملاقاتیں رہی ہیں، آپ کے قائم کردہ ادارے دارالعلوم بلالیہ بھی حاضری ہوئی ہے اور وہاں اساتذہ وطلبہ سے خطاب کا بھی موقعہ ملا ہے، نیز مفتی صاحب موصوف نے دوسری جگہ پر جو ادارہ قائم فرمایا ہے، وہاں بھی آپ کی معیت میں جانا ہوا ہے، جس سے آپ کی دینی وعلمی، فکری وعملی، دعوتی واصلاحی خدمات کے تسلسل کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان خدمات پر آپ کی مختلف نوعیت کی جدوجہد اور ان کے عمدہ نتائج اور آپ کے اطراف وجوانب کے رہنے والوں کو پہنچنے والے دینی وعملی فوائد وبرکات دلالت کرتے ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر مفتی صاحب موصوف کی ایک کتاب ”مجالس صبح گاہی“ (جلد دوم) ہے، یہ دراصل آپ کے ان بیانات وخطابات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان فرمائے تھے، احقر نے مختلف مقامات سے ان کا مطالعہ کیا تو نہایت مفید ونافع مضامین پر مشتمل پایا، جن سے قارئین کی دینی واصلاحی لحاظ سے ذہن سازی ہوتی ہے، ان کے قلوب میں بیداری پیدا ہوتی ہے، اپنی اصلاح کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، دنیا سے زہد وبے رغبتی اور آخرت کی فکر وطلب میں اضافہ ہوتا ہے، طاعات ونیکیوں کی جانب رغبت اور گناہ ومعصیت سے بچنے کا رجحان پیدا ہوتا

ہے اور قلوب میں محبت وعشق الہی اور خوف وخشیت خداوندی کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ وہ امور ہیں جن کے بغیر علم علم نافع نہیں بن سکتا علم نافع وہی ہے جس سے ایک بندہ مذکورہ صفات کا حامل بنتا ہو۔

یہ سب دراصل فیض ہے ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا مسیح الامت شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ، خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا، کہ آپ کی صحبت ومعیت، آپ کے مواعظ وملفوظات، آپ کی علمی وعملی زندگی کے پاکیزہ نقوش انسانوں کی قلوب کو گناہوں کی سیاہی سے صاف اور نیکیوں اور طاعتوں کے نور سے منور کردیا کرتے تھے۔ مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی زید علمہ ونفعہ نے ایک عرصہ تک آپ کی صحبت بابرکت سے استفادہ کیا ہے اور آپ کی خدمت میں رہ کر روحانی جواہرات سے خود کو آراستہ کیا ہے، لہذا آپ سے ان فیوض وبرکات کا ظہور حضرت مسیح الامتؒ کی صحبت ومعیت وخدمت کا لازمی نتیجہ وثمرہ ہے۔

بندہ دعاگو ہے کہ اللہ تعالی "مجالس صبح گاہی" کے فیض کو عام وتام فرمائے اور اس سے لوگوں کو مستفید ہونے کی توفیق بخشے اور مفتی صاحب کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے معاونین کو جن کی محنتوں کے نتیجے میں یہ کتاب منظر عام پر آئی، ان سب کو بھی اپنے شایان شان جزاء عطا فرمائے۔ فقط

(حضرت مولانا) محمد شعیب اللہ خان (مفتاحی صاحب دامت برکاتہم)

یکے از خدام مسیح الامتؒ

۹ ذی القعدہ، ۱۴۴۳

۱۰ جون ۲۰۲۲

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا صلاح الدین سیفی نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

باسمہٖ تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ...!

انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کا مبارک سلسلہ اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا، اس سلسلے کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے علما پیدا فرمائے جو کارِ نبوت کو صبحِ قیامت تک سنبھالے رہیں گے۔ لہٰذا ہر زمانے میں اور ہر علاقے میں اللہ کے کچھ منتخب بندے ایسے ہوتے ہیں، جو اپنے اردگرد رہنے والے افراد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دیتے رہتے ہیں، ایسے ہی افراد میں ایک فرد سرزمین کشمیر کے اندر شہر ''سرینگر'' میں ''محترم مولانا عبدالرشید'' صاحب زیدہ مجدہٗ بھی ہیں...... جو عوام وطلبہ کو وقتاً فوقتاً مخاطب کر کے تربیت کی باتیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی موصوف کے مختلف مواقع پر کی گئی نصائح کا مجموعہ ہے......

اللہ رب العزت شرفِ قبولیت سے نوازے اور موصوف کے لئے دارَین میں مقبولیت کا ذریعہ بنائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد والسلام

فقیر صلاح الدین سیفی نقشبندی مجددی عفی عنہ

خانقاہ فیض اولیاء، ترکیسر، سورت، گجرات

۱۶ ؍ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ ۱ ؍ ستمبر ۲۰۲۳ء

مجالس صبح گاہی

نمودِ خونِ جگر تو دیکھو ہے نالہ زاری سلگتے دل کی
ورق ورق پر ہے رنگ فسوں کا ہے بے قراری سلگتے دل کی
ہے لفظ در لفظ نورِ عرفاں ہے مئے خماری سلگتے دل کی
ہے سوزِ جاں، ساز دھڑکنوں کا ہے دل فِگاری سلگتے دل کی
چراغِ شب ہے، سحر کی آہیں ہے اشک باری سلگتے دل کی
نقوش پر ضربِ حق عیاں ہے ہے جاں سپاری سلگتے دل کی
کتاب ہے، معجزہ ہے فن کا ہے دست کاری سلگتے دل کی
دلوں سے پائیں ہیں دل جلوں کی یہ باتیں ساری سلگتے دل کی
مجالسِ صبح گاہی طارق ہمیں بھی چندروز تھیں میسر
وہ موتیاں رولنا سحر کو وہ زرنگاری سلگتے دل کی

پرھنوزادہ طارق حسین (عفی عنہ)

۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ مطابق 27 نومبر 2024ء بروز چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجالسِ صبح گاہی

(جلد دوم)

عقل سے بھی ماورا تو ہے

حضرت مولانا نسیم احمد غازی

تجھی سے ابتداء ہر چیز کی ہے منتہیٰ تو ہے
ازل سے تا ابد بے ابتداء و انتہاء تو ہے
توہی اول ، توہی آخر، توہی ظاہر، توہی باطن
تجھی کو حمد زیبا ہے کہ ہم سب کا خدا تو ہے
بقا تجھ کو، فنا مجھ کو، ثنا تیری زباں میری
میں فانی بے بقاہوں، ذاتِ باقی لافنا توہے
تری حمد و ثنا سے عجز کا اقرار ہے سب کو
ترے اوصاف بے پایاں ، از ل سے ہے سدا توہے
توواجب ہے ، تری تعریف ممکن سے ہے ناممکن
توہی رب العلی ہے عقل سے بھی ماورا توہے
چھپاہے ساری خلقت سے مگر پھر بھی عیاں تو ہے
سبھی سے ہے ملا تو اور ہر شے سے جدا توہے
تری توحید کے جلوے عیاں ہیں ذرہ ذرہ میں
ہوا جو منکر و مشرک بجا اس سے خفا تو ہے
مجھے حیرت ہے تیرا کس طرح انکار کرتے ہیں
جدھر دیکھو، جہاں دیکھو، وہیں جلوہ نما تو ہے
تری توحید کی صورت ، خدایا نور آنکھوں کا
مرے اس شیشۂ دل میں فقط جلوہ نما تو ہے
مجھے اوروں سے کیا مطلب تجھی سے واسطہ مجھ کو
نسیمِ زار کے غم کی دوا اور مدعا تو ہے

رجوع الی اللہ

وقت کی اہم ترین ضرورت

ایک ہے ظاہری نظام جو اسباب کے پردہ کے تحت چلتا ہے اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام، باطنی نظام۔ ظاہری نظام ایک پردہ ہے، اصل کام کرنے والا اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام ہے۔ کس وقت کس کے ساتھ کہاں پر کیا کچھ ہوگا، یہ اللہ کے فیصلے کے تحت چلتا ہے، اللہ کے تکوینی نظام کے تحت چلتا ہے۔ اس تکوینی نظام کا کوئی مقابلہ نہیں کرتا اور نہ کرسکتا ہے۔ جہاں بندہ ہر اعتبار سے بے بس ہو وہاں اسی ایک تکوینی نظام کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس سہارے کو لینے کا طریقہ ہے اللہ کی طرف رجوع، اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری، اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور بے بسی کو پیش کرنا۔ قرآن نے جہاں اسباب اختیار کرنے کو کہا ہے۔ میں نے ابھی آیت پڑھی۔ ''اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ'' یہ نصیحت ہے ''فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا'' ﴿الانسان: ۲۹﴾ جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے، اپنے رب کو راضی کرنے والے کام اختیار کرے، اپنے رب کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔ یہ تشریعی طور پر حکم دیا کہ جس کا جی چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔ آگے فرمایا ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ'' ﴿الانسان: ۳۰﴾ کہ دیکھو تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا جب تک رب العالمین نہ چاہے۔ قرآن میں فرمایا؛ قُلْ

لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿التوبة: ۵۱﴾ آپ کہہ دیجئے ہم کو ہر گز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی ۔ إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۔مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی۔ هُوَ مَوْلَىٰنَا ، وہ ہمارا مددگار ہے دوست ہے۔

جب بندہ اس تکوینی نظام کو سوچتا ہے تو دو طرح کے فائدے ہوتے ہیں۔ایک بندہ کی بے چینی دور ہوتی ہے کہ جب سب کچھ اللہ کے نظام کے تحت چلتا ہے تو مجھے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، فیصلہ اللہ کا چلتا ہے ، اور دوسرا وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو کسی بھی مصیبت کسی بھی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مجھے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ جب اللہ کی طرف سے کوئی چیز آجائے کوئی مصیبت کوئی پریشانی کوئی تکلیف ہو تو اس کے دور کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے اس کو منائے اس کے سامنے آہ و زاری کرے۔ اس وقت جو بے چینی کا ماحول، جو پریشانی کا ماحول خوف ودہشت کا ماحول ہے، ان حالات میں خصوصی طور پر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہی اس خوف ودہشت کے ماحول کو امن وسلامتی کے ماحول میں تبدیل کرسکتا ہے دنیا کی کوئی طاقت کچھ نہیں کرسکتی، اس لئے ہر بندہ کو ایک تو اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ ﴿الشوری: ۳۰﴾ جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت ہیں۔تو بندہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اللہ کے سامنے روئے گڑگڑائے۔ اللہ کے سامنے اپنی بے بسی بے کسی کو پیش کرے۔ امام الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ کن الفاظ میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی بے بسی اور بے کسی کو پیش فرمایا کرتے تھے۔ امام االانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ کی

مبارک دعاؤں میں اس کے عجیب نمونے ملتے ہیں۔مناجات مقبول میں آپ دیکھئے کہ پیغمبر علیہ السلام نے کس طرح کی دعائیں مانگی ہیں۔طائف سے واپسی کے موقع پر کس طرح بے چینی کا اظہار اللہ کی بارگاہ میں فرمایا؛ تو بہر حال اس وقت ہم سب کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔تنہائی میں اور اجتماعی طور پر اللہ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کی ضرورت ہے۔اللہ سے امن وسلامتی مانگنے کی ضرورت ہے۔ اپنی ریاست بلکہ پورے عالم کے لئے امن اور سلامتی کے لئے دعائیں مانگنے کی ضرورت ہے، اللہ ہی کے اختیار میں سب کچھ ہے، اللہ کے چاہے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔حدیث میں ہے اگر ایک بہت بڑی جماعت تم کو کوئی نقصان پہچانا چاہے وہ کچھ نہیں کرسکتی، کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی تم کو دنیا کے سارے انسان مل کر بھی، مگر وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رکھا ہے۔اور سارے مل کر کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو کوئی نفع نہیں پہنچاسکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا[1]۔

تو خلاصہ کے طور پر عرض ہے ان حالات میں اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے کی ضرورت ہے، اپنے گناہوں سے معافی مانگنے کی ضرورت ہے، توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اور اللہ سے امن، سلامتی، عافیت، اپنے لئے دوسروں کے لئے، پوری انسانیت کے لئے مانگنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ پورے عالم کو اور خصوصیت کے ساتھ ہماری اس ریاست کو امن اور سلامتی کا گہوارہ بنائے۔

---

[1]۔[عن عبد اللہ بن عباس:] » کنتُ خلْفَ النَّبیِّ ﷺ یومًا فقال: «یا غلامُ إنی أُعلِّمُك كلماتٍ: »احفَظِ اللهَ یَحفظْكَ احفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجاهَك، إذا سألْتَ فاسألِ اللهَ، وإذا استعنْتَ فاستعِنْ باللهِ، واعلَمْ: أنّ الأُمَّةَ لو اجتمَعَتْ على أنْ یَنْفَعوكَ بشَیءٍ، لم یَنْفَعوكَ إلّا بشَیءٍ قد كتبَهُ اللهُ لك، وإنِ اجْتمعوا على أنْ یَضُروكَ بشَیءٍ، لم یَضُروكَ إلّا بشَیءٍ قد كتبَهُ اللهُ علیك، رُفِعَتِ الأقلامُ، وجَفَّتِ الصُّحُفُ«. وفی روایةٍ: »احفَظِ اللهَ تَجِدْهُ أمامَكَ، تعرَّفْ إلى اللهِ فی الرَّخاءِ یَعرِفْكَ فی الشِّدَّةِ، واعلَمْ أنّ ما أخطأَكَ لم یكنْ لیُصیبَكَ، وما أصابكَ لم یكنْ لِیُخْطِئَكَ، واعلَمْ أنّ النصرَ مع الصبرِ، وأنّ الفرَجَ مع الكرْبِ، وأنّ مع العُسرِ یُسرًا «..
شعیب الأرنؤوط (ت ۱۴۳۸)، تخریج ریاض الصالحین ۶۲ • إسناده صحیح • أخرجه الترمذی (۲۵۱۶) بنحوه، وأحمد (۲۸۰۳).

اچھے احوال کا فائدہ اُٹھایئے

انسان پر جو حالات آتے ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں ۔قرآن پاک میں ہے:
وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران:۱۴۱) ان ایام کو، ان حالات کو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔کبھی کسی کا کچھ حال کبھی کسی کا کچھ۔ اس لئے جب بھی جو حال جس چیز کے مناسب ہو اس حال سے فائدہ اٹھائے، نہ معلوم کہ یہ حال کب تک باقی رہے۔

صحت مندی کی حالت

مثلاً صحت مند ہونے کی حالت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کب تک رہے گی۔کبھی بالکل ہٹا کٹا آدمی صحت اور تندرستی کی نعمت سے مالا مال ہوتا ہے، اچانک کوئی ایسی حالت پیش آگئی کہ وہ ساری صحت ساری قوت جاتی رہی، اب پچھتا رہا ہے۔اس لئے جب تک یہ صحت کی حالت بندے کے پاس موجود ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائے، نہ معلوم کب چلی جائے۔جیسے کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث جس میں پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں ایک یہ بھی تو ہے۔اپنی صحت کی حالت کا فائدہ اٹھاؤ بیماریوں سے پہلے۔صحت کے زمانے میں بندہ بہت کچھ کرسکتا ہے، دین کے اعتبار سے بھی کرسکتا ہے، دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔ہم اول تو کرتے ہی نہیں، اگر کر بھی لیا تو

بس دنیا کے اعتبار سے جو کچھ کر سکتے تھے کر لیا لیکن آخرت کے اعتبار سے جو کچھ کر سکتے تھے، وہ نہیں کرتے یا کرتے تو ہیں لیکن جتنا کر سکتے تھے اور جس انداز سے کر سکتے تھے اتنا اس انداز سے نہیں کرتے، جبکہ دنیوی اعتبار سے جتنا کر سکتے تھے بعض مرتبہ اس سے زیادہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن اخروی اعتبار سے جتنا کر سکتے تھے اور جس انداز سے کر سکتے تھے، اتنا اور اس انداز سے نہیں کرتے۔

مالداری کی حالت

اسی طرح مالداری کی حالت ہے، یہ ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں۔ آج ہے تو کل نہیں ۔ اس لئے جب تک مومن بندے کے پاس مالداری کی حالت ہے اس مالداری کی حالت سے فائدہ اٹھائے، اور مالداری کی حالت سے فائدہ اٹھانے کا مطلب یہ نہیں کہ بڑے بڑے بنگلے بنائیں گے، تجارت بڑھتی رہے اور دوسری چیزیں، بلکہ اس مالداری سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مومن بندہ اس مال کے ذریعہ اپنی آخرت بنائے۔ یہ مال امتحان ہے۔ نہ معلوم کہ کس وقت یہ امتحان ختم ہو اور خدانہ خواستہ نتیجہ ناکامی کی صورت میں سامنے آئے۔ مال بھی گیا اور آخرت بھی نہیں بنی۔ دین بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس لئے جب تک مومن بندے کے پاس مال کی حالت ہے اس مال کی حالت سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ جیسے حدیث مذکور میں یہ بھی فرمایا کہ اپنی مالداری کا فائدہ اٹھاؤ غربت اور فقر و فاقہ سے پہلے۔ نہ معلوم کہ کب مالداری کی حالت چلی جائے، اور مالداری کے ذریعہ مومن بندہ اپنی آخرت کے اعتبار سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس لئے تو پیغمبر علیہ السلام نے ایسی مالدار کو قابل رشک قرار دیا۔ فرمایا: قابل رشک دو آدمی ہیں: ایک وہ اللہ کا بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے

مال دیا(یہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے بری چیز نہیں ہاں امتحان بڑا سخت ہے)۔مال دینے کے بعد۔ فَسُلِّطَ عَلىٰ هَلَكَتِهِ فِي الحقِّ [1] اب اس کو مسلّط کر دیا حق کے راستے پر خرچ کرنے کے لئے۔کبھی یہاں کر رہا،کبھی وہاں خرچ کر رہا ہے۔

فراغت کی حالت

فراغت کی عظیم نعمت اور فراغت کی عظیم حالت ہمیشہ نہیں رہتی۔آج بندے کو اطمینان ہے،فراغت ہے کوئی ایسی مصروفیت نہیں کوئی ایسی مجبوری نہیں بہت کچھ کر سکتا ہے دنیا کے اعتبار سے بھی کر سکتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کر سکتا ہے۔لیکن نہیں کرتا یہاں تک کہ بہت ساری مشغولیات اور بہت ساری مصروفیات میں ایسا گھرا کہ اب فرصت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی اور جب تک فرصت تھی جب تک فراغت تھی،اس سے جو کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا نہیں اٹھایا۔

جوانی کی حالت

اسی طرح جوانی کی حالت ایک عظیم اللہ کی نعمت ہے اور یہ بہت بڑی نعمت ہے، یہ جوانی بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں ، اس لئے جب تک یہ جوانی کی حالت مومن بندے کے پاس ہے فائدہ اٹھائے اور جوانی کا اصل فائدہ آخرت کے اعتبار سے

---

[1] -[عن عبد الله بن مسعود:] لا حَسدَ إلّا فى اثنتَينِ: رَجُلٍ آتاه اللهُ مالًا، فسَلَّطه على هَلَكتِه فى الحَقِّ، وآخَرَ آتاهُ اللهُ حِكمةً، فهو يَقضى بها ويُعلِّمُها..

شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٤١٠٩ • إسناده صحيح على شرط الشيخين • أخرجه البخارى (٧٣)، ومسلم (٨١٦)، والنسائى فى »السنن الكبرى« (٥٨٤٠)، وابن ماجه (٤٢٠٨)، وأحمد (٤١٠٩).

سے اٹھائے ۔ڈگریوں کے اعتبار سے، منصب کے اعتبار سے، عہدوں کے اعتبار سے، مال کے اعتبار سے جوانی کا فائدہ اٹھانے والے بہت ہیں، لیکن اللہ کی رضا کے اعتبار سے، اپنی آخرت بنانے کے اعتبار سے، تقوی کے اعتبار سے، فکر آخرت کے اعتبار سے، جوانی کا فائدہ اٹھانے والے بہت کم ۔اس لئے فرمایا کہ اس جوانی کو بھی غنیمت سمجھ لو اور اس جوانی کے زمانے کا بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔ بھرپور فائدہ اٹھانا وہ نہیں جو ہم اکثر و بیشتر سمجھتے ہیں، اچھی ڈگری، اچھی نوکری، اچھی ملازمت، اچھی تنخواہ ملے ۔ یہ ایک حقیر سا فائدہ ہے۔ اچھا فائدہ یہ ہے کہ جوانی کے زمانے کے اندر آدمی اتنا کرلے، اتنا کرلے اپنی آخرت بنانے کے اعتبار سے کہ جب بڑھاپا آئے تو اتنا نہ کر سکے تو اللہ فرشتوں کو حکم دے کہ میرا بندہ جوانی کے زمانے میں بہت کچھ کرتا تھا اور اس کی تو نیت یہ تھی کہ زندگی کے آخری لمحے تک ایسا ہی کرتا رہے گا لیکن جب تک میرے بندے کے پاس جوانی تھی، صحت تھی وہ بہت کچھ کرتا رہا، اب بڑھاپا آ گیا اور میں نے ہی بڑھاپا بھیج دیا کمزوری آ گئی اب بیماری آ گئی ، اب بے چارہ اتنا نہیں کر پاتا، لیکن جب تک کر پاتا تھا اس نے بہت کچھ کیا، اب اتنا نہیں کر پا رہا اب کمزور ہو گیا اب میرے فرشتو! اس کے حق میں بغیر کئے بھی سارا کچھ لکھ دو۔

زندگی کی حالت

اور سب سے آخری جو حالت ہماری ہے وہ زندگی کی حالت ہے، جب تک ہے فائدہ اٹھائیں نہ معلوم کب ختم ہو جائے ، کب چلی جائے، اس زندگی سے مومن بندہ جب فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک زندگی ہے جب تک سانس میں سانس ہے، جب

تک ہوش وحواس قائم ہیں، فائدہ اُٹھاؤ، انتہائی بڑھاپے کے اندر انتہائی کمزوری کی حالت میں کوئی بندہ دنیاوی اعتبار سے فائدہ اٹھانے کی حالت میں ہوتا نہیں، لیکن اللہ نے آخرت اتنی آسان کی ہے، اتنی آسان کی ہے کہ کتنا ہی بڑھاپا ہو پھر بھی اللہ نے اس کو آخرت بنانے کی حالت میں رکھ رکھا ہے۔ کچھ نہ کرسکتا ہو بیٹھے بٹھائے لیٹے ہوئے بیماری کی حالت میں کبھی اللہ کی تسبیح بیان کرر ہا ہے کبھی اللہ کی بڑائی بیان کرر ہا ہے۔ کبھی اللہ سے گزشتہ زندگی کی تلافی کی دعائیں مانگ رہا ہے، کبھی اللہ سے معافی مانگ کر رو رہا ہے، کبھی اللہ کے خوف سے آنسو بہا رہا ہے، کبھی اللہ کے سامنے آہ وزاری کرر ہا ہے، کبھی ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرر ہا ہے۔

توغرض یہ ہے کہ بندہ کے اوپر مختلف حالات آتے رہتے ہیں، ہر حال ہر وقت نہیں رہتا۔ اس لئے جب مومن بندے کے پاس کوئی ایسا حال ہو جو آخرت کے اعتبار سے اس کے لئے بہت زیادہ کارآمد ہو اور اس حالت سے وہ بہت فائدہ اٹھا سکتا ہو اسے چاہئے کہ جلد از جلد فائدہ اُٹھانے کی فکر کرے کوشش کرے۔ نہ معلوم یہ حال کب ختم ہو جائے۔

اس لئے ایک حدیث کے اندر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چند چیزیں ارشاد فرمائیں ان سب کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اور پوری امت کو ان عظیم احوال سے ان عظیم حالات سے جو اللہ پاک ہم میں سے ہر کسی کو اپنی مشیت اور اپنے منشا کے مطابق عطا فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان احوال سے ان حالات سے دنیا اور آخرت کو بنانے کی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آ گے کیا بھیجا؟

اللہ تعالیٰ سورۂ تکویر میں ارشاد فرماتے ہیں:اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ۞وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ...الخ۔﴿التکویر: ۱،۲﴾ بہت سارے واقعات کو بیان فرما رہے ہیں کہ جب یہ ہوگا،سورج بے نور ہوگا، ستارے گر پڑیں گے،وغیرہ وغیرہ۔یہ ہوگا،یہ ہوگا،یہ ہوگا اور اس کے بعد فرماتے ہیں: "وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ﴿التکویر:۱۰﴾ (جب صحیفہ اور نامہ اعمال پھیلائے جائیں گے اور جب جہنم کو اور زیادہ بھڑکایا جائے گا اور جب جنت کو قریب کرلیا جائے گا)عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ" ﴿التکویر: ۱۴﴾ اور ہر ایک جان لے گا کہ کیا لے کر آیا کتنی نمازیں اور کیسی نمازیں لے کر آیا ہے۔کتنی تلاوت اور کیسی تلاوت لے کر آیا وغیرہ وغیرہ۔کس کس قسم کی نیکیاں،کس کس طرح کے لے کر آیا اور کون کون سے گناہ لے کر آیا ہے،کتنی بدنگاہی لے کر آیا، کتنی غیبتیں لے کر آیا،کتنا جھوٹ لے کر آیا، کتنے دوسروں کے حقوق لے کر آیا وغیرہ وغیرہ۔اور ظاہر بات ہے کہ جو کچھ لے کر آئے گا اسی کی روشنی میں اس کے لئے جنت یا اللہ تعالیٰ بچائے جہنم کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ہر بندہ ابھی سوچتا رہے کہ میں کیا کیا لے کر جا رہا ہوں۔اور سوچنے کا حکم: وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ﴿الحشر: ۱۸﴾ ہر ایک سوچے، ہر ایک سوچے کہ کیا آگے بھیجا۔اسی کو اس انداز سے تعبیر کیا کہ ہر ایک جان لے گا کہ کیا لے کر آیا ہے۔

وہاں تو جانے گا ہی لیکن وہاں جان لینے کے بعد انسان کے بس میں کوئی تلافی تدارک نہیں۔مثلاً وہ نیکیاں کم لے کر آیا ہو خدانہ خواستہ اور گناہ زیادہ جس کی روشنی میں اس کے لئے اللہ بچائے جہنم کا فیصلہ ہوگا۔اب کچھ نہیں کر پائے گا۔

لیکن اگر بندہ دنیا میں بار بار سوچتا رہا کہ میں کیا لے کر جا رہا ہوں، اب ظاہر بات ہے کہ جب بندہ سوچتا رہے گا اپنے اعمال کے بارے میں، اپنے رات اور دن کے کاموں کے بارے میں کہ کیا لے کر جا رہا ہوں تو ہر انسان کو بہت کچھ سامنے آتا ہے، اب جو اس بہت کچھ کی روشنی میں اپنا انجام تلاش کرے۔اب اگر خدانخواستہ، خدانخوستہ اس کو موجودہ زندگی میں آخرت کے اعتبار سے اپنا انجام (اللہ بچائے) برا نظر آرہا ہے۔اللہ برے انجام سے بچائے ۔تو ابھی کچھ کر سکتا ہے۔جن گناہوں کی وجہ سے اس کو برا انجام نظر آرہا ہے ان گناہوں سے پکی سچی توبہ کرے اور جنت کے لئے جن اعمال کی ضرورت ہے، جس طرح کے اعمال کی ضرورت ہے،اب اس نے جب دنیا میں ہی جانا شروع کئے تو کبھی تو ایسا ہوگا اس کو اپنے اعمال کے اندر کمیت کے اعتبار سے کمی نظر آئے گی کہ میرے پاس جتنی نمازیں ہونی چاہئے ،جتنی تلاوت ہونی چاہئے اتنی ہے یا نہیں؟ جتنے روزے ہونے چاہئے ،جتنی زکوٰۃ ہونی چاہئے اور جس درجہ کا تقویٰ ہونا چاہئے ،جس طرح کی شرم وحیا میرے اندر ہونی چاہئے ، وہ ہے یا نہیں؟ اس میں کمی ہے اور جو ہے بھی جیسا ہونا چاہئے جیسی نماز ،جیسی تلاوت، جیسا روزہ، جیسا ذکر، جیسا تقوی ہونا چاہئے تھا وہ بھی تو نہیں ہے۔یعنی جتنا ہونا چاہئے وہ بھی نہیں اور جیسا ہونا چاہئے وہ بھی نہیں تو تلافی کر سکتا ہے، اپنے اعمال کی مقدار اور کمیت کو بڑھا سکتا ہے اور اپنے اعمال کیکیفیت کو بہتر بنا سکتا ہے۔

جب جان لے گا کہ میں کیا لے کر آیا ہوں وہاں تلافی نہیں ہو پائے گی۔

وہ چاہے گا بھی درخواست بھی کرے گا۔

رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿المؤمنون: ۹۹﴾ پروردگار واپس بھیج دیجئے لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ﴿المؤمنون: ۱۰۰﴾ میں تلافی کر کے آؤں گا اور اچھے اچھے اعمال اور بہت سارے اعمال لے کر آؤں گا۔ اللہ فرمائیں گے۔ كَلَّا ۔ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ دنیا میں بہت موقع دیا گیا اور بھیجا ہی تو تھا دنیا میں اچھے اعمال کے لئے بھیجا ہی تو تھا دنیا میں تقویٰ کے لئے پرہیزگاری کے لئے اور اتنا موقع دیا تھا کہ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿فاطر: ۳۷﴾ کیا ہم نے تم کو اتنا موقع نہیں دیا اتنی لمبی زندگی، پچاس ساٹھ ستر اسّی سال کی دی اتنی لمبی عمر دی يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ جس کو نصیحت حاصل کرنی ہوتی وہ نصیحت حاصل کرتا بہت موقع دیا اور صرف موقع ہی نہیں دیا بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اس بات کو سمجھانے کے لئے اور برے انجام سے ڈرانے کے لئے وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ تمہارے پاس طرح طرح کے ڈرانے والے آگئے، انبیاء آگئے، ان کے جانشین سچے علماء آئے، تمہاری داڑھی اور سر کے بالوں میں سفیدی النَّذِيرُ بن کر آئی تم پہلے تنہا تھے پھر باپ بنے، اور باپ بننے کے بعد دادا بنے نانا بنے یہ بھی نذیر تھا یہ بھی تو ڈرا رہا تھا کچھ کیا ہی نہیں۔ اب واپس جانے کو کہہ رہا ہے۔ كَلَّا۔ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بار بار ہمیں اپنے اعمال کی کمیت اور اپنے اعمال کی کیفیت کو بار بار دیکھتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور تلافی کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

دو چیزوں کا استحضار

ایمان والے بندے کی زندگی میں دو چیزوں کا استحضار بہترین تبدیلی لاکر اور اسے بہترین طریقہ پر زندگی گزارنے میں بہت زیادہ موثر ہے۔ایک اس بات کا استحضار اور یقین کے ساتھ تصور کہ میرا خالق و مالک، میرا پالن ہار اللہ، میری ہر نقل وحرکت کو اور دل کے اندر اُٹھنے والے خیالات، جذبات اور تصورات سے مکمل طریقہ سے باخبر ہے۔اور میں چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ہر حال میں اپنے رب کے سامنے ہوں اور میرا کچھ بھی میرے پروردگار سے پوشیدہ نہیں، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھے بندہ اس بات کا استحضار رکھے اور اس کی مشق کرے، مشق کرتے کرتے، کرتے کرتے، پھر اللہ کی طرف سے بندے پر کرم ہوتا ہے اور اسکو پھر سوچنا نہیں پڑتا ہے۔ پھر اللہ کی طرف سے حضور عطا ہوتا ہے۔ایک ہے استحضار اور ایک ہے حضور۔ استحضار کا مطلب : بندہ سوچ سوچ کر اللہ کا تصور لائے۔اور حضور کا مطلب: پھر بلا سوچے اللہ اس کو عطا فرماتے ہیں۔ایک ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات کا استحضار کہ ہم ہر وقت اللہ کے سامنے ہیں۔

اور دوسرا یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا مجھے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر اپنی زندگی، جوانی، کمائی، خرچ اور اپنی صلاحیتوں کا پروردگار کے سامنے

حساب دینا ہوگا۔ اور اس حساب و کتاب کے نتیجہ میں میرے لئے دو مقاموں میں سے ایک مقام کا ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ وہاں کوئی تیسرا مقام نہیں۔ یا تو اللہ کی طرف سے میرے لئے جنت کا فیصلہ ہوگا۔ یا تو پھر العیاذ باللہ، العیاذ باللہ جہنم۔ تو یہ دو استحضار اور یہ دو یقین اور ان دو چیزوں کی مشق بندہ کرتا رہے، کرتا رہے تو پھر سوچنا زیادہ نہیں پڑتا، گویا کہ بندے کو یہ غیر اختیاری طور پر تصور ہر وقت رہتا ہے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں، میں کھڑا ہوں تو اللہ کے سامنے، بیٹھا ہوں تو اللہ کے سامنے، لیٹا ہوں تو اللہ کے سامنے، کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کر رہا ہوں تو اللہ کے سامنے وغیرہ وغیرہ، اور دوسرے آخرت کا معاملہ کہ بندہ کو ہر وقت یوں لگتا ہے کہ میں آخرت میں پہنچ گیا اور میرا حساب و کتاب چل رہا ہے اور میں جو بھی کچھ کر رہا ہوں وہ میرے نامۂ اعمال میں جمع ہو رہا ہے میرے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے اور ایک وقت آئے گا میرے نامہ اعمال کو میری زندگی کے تمام کاموں پر مشتمل فائل کو میرے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ فائل اس وقت تیار ہو رہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی اور آپ حضرات کو بھی یہ کامل استحضار نصیب فرمائے اور ہمارے استحضار کو اللہ تعالیٰ حضور میں بدل دے، ہماری زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ بہترین تبدیلی لائے۔ (آمین)

توبہ کرنے والے

اللہ پاک کا ارشاد ہے: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ۔ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴿الزلزال:۷۔۸﴾ ترجمہ: جو کوئی ذرہ برابر خیر کرے گا اس کو بھی دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر شر اور برائی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا، ایمان والے بندے کو ہر وقت یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہر اچھائی اور ہر برائی میرے سامنے آ کر رہے گی اچھائی کو دیکھ کر ایمان والا بندہ خوش ہوگا اور برائی کو دیکھ کر ندامت و شرمندگی ہوگی۔ ہم میں سے ہر بندے کے پاس اچھائیاں بھی ہوتی ہیں برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ پاک نے اپنے فضل سے اپنے کرم سے ہم کو یہ اختیار دیا ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں پکی سچی توبہ کریں تو جو برائیاں ہیں وہ پھر ہمارے سامنے نہیں آئیں گی بلکہ برائیوں کے بدلے میں اچھائیاں نظر آئیں گی۔ ایک حدیث میں آتا ہے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک بندے کو اللہ تعالیٰ اپنے قریب کریں گے اور اس سے کہیں گے کہ بندے! تم نے فلاں موقع پر فلاں گناہ کیا تھا، فلاں گناہ کیا تھا، تو یہ بندہ ہر گناہ کا اقرار کرتا رہے گا، کرتا رہے گا، لیکن ابھی اللہ تعالیٰ اس کے سامنے چھوٹے

چھوٹے گناہ گنوائیں گے، اب یہ بندہ اپنے دل میں نادم و شرمندہ ہوگا کہ ابھی تو چھوٹے چھوٹے گناہ اللہ پاک میرے سامنے لا رہے ہیں جب بڑے گناہوں کا منظر ہوگا تب کیا ہوگا پھر اللہ پاک کہیں گے جاؤ میں نے تمہارے تمام گناہوں کو اچھائیوں میں بدل دیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے یہ بندہ اللہ پاک کو پھر عرض کرے گا کہ بار الٰہی میرے پاس اس کے سوا اور گناہ بھی ہے۔

تو ہر صورت میں جو ہے بندہ اللہ پاک کی بارگاہ میں پکی اچھی توبہ کرتا رہے کہ قرآن پاک میں ہے:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿الفرقان: ۷۰﴾ توبہ کرنے والوں کی سیئات کو اللہ تعالیٰ حسنات میں تبدیل فرماتے ہیں۔ اور حسنات میں تبدیل فرمانے کے مختلف نام جو بیان فرمائے، اس میں یہ بھی ہے کہ بندے نے اب جو گناہ سے توبہ کر لی تو توبہ کی برکت سے وہ گناہ مٹ گیا اور توبہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک عبادت ہے بلکہ ایسی عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ ﴿البقرۃ: ۲۲۲﴾ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے ساتھ محبت فرماتے ہیں۔ حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں اور محبت فرماتے رہینگے۔ اللہ پاک ہم سب کو سچی پکی توبہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

چار طرح کی سوچ

دنیا میں چار قسم کی سوچ رکھنے والے لوگ ہیں، ایک سوچ کہ کچھ بھی ہو جائے میری آخرت بن جائے، ایک سوچ یہ کہ کچھ بھی ہو جائے میری دنیا بن جائے، پھر آگے چل کر یہ سوچ دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے، جہاں تک دونوں گاڑیاں ساتھ چلتی ہیں تو چلا رہے ہیں لیکن جہاں راستہ تنگ ہوا جہاں ایک ہی گاڑی گذر سکتی ہیں یا دنیا کی گاڑی یا آخرت کی گاڑی، ایک سوچ رکھنے والا وہاں دنیا کی گاڑی کو ترجیح دیتا ہے اور آخرت کی گاڑی کو پیچھے چھوڑتا ہے، اور ایک یہ کہ جہاں راستہ تنگ ہوا یا تو دنیا کی گاڑی گزرے گی یا آخرت والی تو (دوسری سوچ رکھنے والا) آخرت والی گاڑی کو آگے بھیج دیتا ہے اور دنیا کی گاڑی کو وہیں چھوڑ دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن مقدس میں ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ جس نے ارادہ کیا دنیا کا، کچھ بھی ہو میری دنیا بن جائے حلال حرام جائز ناجائز، کوئی پرواہ کئے بغیر، اللہ پاک فرماتے ہیں عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ، جو کچھ ہم چاہتے ہیں، جس کے لئے چاہتے ہیں، اس کو دنیا میں دے دینگے، لیکن ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ چونکہ اس کی سوچ یہ ہے کچھ بھی ہو میری دنیا بن جائے آخرت کا کچھ بھی ہو،

کوئی پرواہ نہیں ۔ العیاذ باللہ۔ اللہ فرماتے ہیں ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ آخرت میں اس کے لئے جہنم ہے، يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (بنی اسرائیل:۱۸) اور ایک سوچ یہ کہ کچھ بھی ہو میری آخرت بن جائے۔

فرمایا: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا جس نے ارادہ کیا کہ بس کچھ بھی ہو میری آخرت بن جائے، اور یہ ارادہ کرنے کے بعد اپنی آخرت بنانے میں لگ گیا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور وہ ایمان والا ہو، جو اس کی بنیادی شرط ہے اس کو لیکر فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (بنی اسرائل :۱۹)۔ اس کی آخرت بن کر رہے گی، اس کوشش کی قدر کی جائے گی، ایک سوچ یہ ہے کہ دونوں گاڑیاں ساتھ چلتی رہیں، قرآن نے اس کی تعریف کی ہے، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۱) یا اللہ دنیا بھی بنے اور آخرت بھی بنے اور نار جہنم سے بچا، اللہ فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا (البقرۃ ۲۰۲) یہی لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال کی وجہ سے (آخرت میں) حصہ ملے گا اور اللہ جلد حساب لے لیں گے۔ ان کی اللہ نے تعریف بیان کی، اور ایک یہ کہ جہاں دونوں گاڑیاں ایک ساتھ چل نہیں سکتی یا تو دنیا کی گاڑی چل سکتی ہے یا آخرت کی گاڑی، کیونکہ راستہ تنگ ہے، تو اس تنگ جگہ پر وہ کیا کرتا ہے؟ فرمایا: وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (النازعات:۳۸) دنیا کی زندگی اور دنیا کی گاڑی کو آگے جانے دیا اور آخرت کی گاڑی کو روک لیا، اس کا انجام فَاِنَّ

الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (النازعات:۳۹)، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ایک یہ کہ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾ (ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا، سو بے شک اس کا ٹھکانا جنت ہے)

اب ہر آدمی اپنے بارے میں اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچے کہ ان چار سوچوں میں سے کونسی سوچ کا حامل ہوں اور میری اور میرے گھر والوں کی کونسی سوچ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ سوچ عطا فرمائے جس سوچ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے، ہم سب کی اور ہم سب کے گھر والوں کی آخرت بنے۔ آمین۔

غصہ پر قابو

ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لا تَغْضَبْ [1] غصہ نہ کیا کرو۔ عرض کیا کچھ اور، آپ نے پھر فرمایا: لا تغضب غصہ مت کیا کر۔ تیسرے بار پھر عرض کیا آپ نے تیسری بار بھی فرمایا لا تغضب۔ غصہ باطنی رذائل میں سے ایک بدترین رذالت ہے جس کا قابو میں رکھنا ضروری ہے۔ عموماً غصے کے بعد انسان کو دنیا میں بھی پچھتاوا ہوتا ہے اور اگر غصے کے جذبے پر عمل کیا تو اللہ کی بارگاہ میں بعض مرتبہ انتقام کا بھی خطرہ ہوتا ہے، اس لئے فرمایا گیا شجاع اور پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقی پہلوان وہ ہے الَّذِی یَمْلِکُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ [2] جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ آدمی بعض مرتبہ مدمقابل کے مقابلے میں اپنے غصہ کی

---

[1] ۔[عن أبی هريرة:] أتی النَّبِیَّ ﷺ رجُلٌ، فقالَ: مُرْنی بأمرٍ، ولا تُكثِرْ علَیَّ حتی أعقِلَه، قال: لا تَغضَبْ، فأعادَ علیه: لا تَغضَبْ.. شعیب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخریج المسند ٨٧٤٤ • إسناده صحیح علی شرط الشیخین • أخرجه البخاری (٦١١٦)، والترمذی (٢٠٢٠)، وأحمد (٨٧٤٤).

[2] ۔عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لیس الشدید بالصُّرَعة، إنما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب۔ أخرجه البخاری، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب (5/ 2267)، رقم: (5763)، ومسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل من یملك نفسه عند الغضب وبأی شیء یذهب الغضب (4/ 2014)، رقم: (2609).

بھڑاس نکالتا ہے۔ اسی لئے شریعت میں اگر کسی کی طرف سے ہمارے ساتھ کوئی زیاتی ہوئی، شریعت نے اس کی تو اجازت دی ہے کہ:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ﴿الشوریٰ:۴۰﴾ کہ کسی کی طرف سے کوئی معاملہ پیش آ گیا کوئی تکلیف ہوئی تو اس کا بدلہ اسی کے مثل لو لیکن معاف کرنا اور درگذر کرنا وہ زیادہ بہتر چیز ہے۔ یہ جو بدلہ لینے کا معاملہ بھی ہے اس میں بھی غصے کے وقت حتیٰ کہ قاضی جس کا کام ہی ہے حدود اور تعزیرات کا نفاذ کرنا، لیکن وہ بھی مکلف ہے، اس کو پابند بنایا گیا ہے کہ غصے کے وقت کوئی فیصلہ نہ دے۔ اور جب مدمقابل ایسا ہو جو ہر اعتبار سے ہماری ماتحتی میں ہے، ہم اس کے ساتھ کتنی بھی زیادتی کریں، کتنا بھی ظلم کریں، کتنا ستائیں وہ بیچارہ اُدھر سے کچھ نہیں کرے گا۔ مثلاً کوئی آفیسر ہے اس کے ماتحت کوئی معمولی ملازم ہو یا کوئی استاد ہو اس کے ماتحت کوئی طالب علم ہو وغیرہ وغیرہ، وہاں تو اور زیادہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

یہاں ہم ایک دوسرے کو مطمئن کریں کوئی مشکل مسئلہ نہیں، ہر آدمی اپنی بات اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتا ہے اور دوسرے کو مجرم۔ یہاں آسان کام ہے۔ لیکن معاملہ اللہ کی بارگاہ میں ہے، کس سے کیا کوتاہی ہوئی وہ بھی اللہ کے یہاں درج ہے۔ اس کوتاہی کے بدلے میں میری طرف سے کیا ردعمل ہوا وہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ اس کی کوتاہی کو بھی اور میرے ردعمل کو بھی اللہ کی بارگاہ میں تولا جائے گا۔

ایک موقعہ پر امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی صحابیؓ نے اپنے

غلام کے بارے میں پوچھا: تو فرمایا اس کی خیانت کو بھی تولا جائے گا اور تم جو اس کے اوپر زیادتی کرتے ہو اس کو بھی تولا جائے گا[1]۔ اس لئے ہر ایمان والے بندے کو باہمی جو معاملات ہیں چھوٹوں کے ساتھ، بڑوں کے ساتھ، برابر والوں کے ساتھ، ان کو بار بار اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ کر سوچ لینا چاہئے کہ کہیں کسی معاملے میں میری طرف سے کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی۔

امام الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ کی عظیم سیرت ہمارے سامنے ہے کہ دنیا سے رخصتی کے وقت آپ ﷺ نے صحابہ کے عظیم مجمع میں یہ فرمایا[2] کہ اگر میری طرف سے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو، کسی کو مارا ہو، کسی کو برا بھلا کہا ہو، کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، تو آج بدلہ لے لو۔ کئی بار اعلان کے بعد ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ فلاں موقع پر آپ ﷺ کی طرف سے میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا۔ امام الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ نے اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش فرمایا۔ صحابیؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ جب

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها: أَنَّ رَجُلًا قَعَدَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي مَمْلُوكِينَ يَكْذِبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَنِي، وَأَشْتُمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ، فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ؟ قَالَ: »يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ، فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا، لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ اقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ«، قَالَ: فَتَنَحَّى الرَّجُلُ فَجَعَلَ يَبْكِي وَيَهْتِفُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »أَمَا تَقْرَأُ كِتَابَ اللهِ: {وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا}، الْآيَةَ«، فَقَالَ الرَّجُلُ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَجِدُ لِي وَلَهُمْ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ، أُشْهِدُكَ أَنَّهُمْ أَحْرَارٌ كُلُّهُمْ

. [رواه الترمذی]-[سنن الترمذی: 3165]

[2] [عن أسيد بن حضير:] بينما هو يحدّثُ القومَ وكانَ فيهِ مزاحٌ بينما يضحِكُهم فطعنَه النَّبيُّ ﷺ في خاصرتِه بعودٍ فقالَ أصبِرني قالَ اصطبِر قالَ إنّ عليكَ قميصًا وليسَ عليَّ قميصٌ فرفعَ النَّبيُّ ﷺ عن قميصِه فاحتضنَه وجعلَ يقبِّلُ كَشحَه قالَ إنّما أردتُ هذا يا رسولَ اللهِ. ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، تخريج مشكاة المصابيح ٣٣٠/٤، أخرجه أبو داود (٥٢٢٤)، والبغوي في »معجم الصحابة« (٤٥)، والطبراني (١/٢٠٥) (٥٥٩).

میرے ساتھ وہ معاملہ ہوا تھا تو میرے بدن پر تو کپڑا ابھی نہیں تھا اور آپ کے مبارک بدن پر کپڑا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک چادر کو (یا جو بھی کوئی لباس بدن اطہر پر تھا) ہٹایا اور اس سے فرمایا آؤ بدلہ لے لو، وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے بدن اطہر کے ساتھ لپٹ گئے کہ اس کی برکت سے آخرت میں حفاظت ہوگی۔

الغرض آدمی کو اپنے ہر معاملے میں بہت زیادہ چوکنا رہنا چاہئے کہ کہیں میری طرف سے کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی ہے، بار بار سوچنا چاہئے اور اگر لگے کوئی زیادتی ہوئی ہے تو اس کی تلافی کی ضرورت ہے اور بڑوں چھوٹوں میں کوئی تفریق نہیں، بڑے کو لگے چھوٹے کے بارے میں کہ مجھ سے زیاتی ہوئی بلا جھجک معافی مانگے یا معاف کرائے۔ نفس اس کے لئے جلدی آمادہ نہیں ہوتا، لیکن معاملہ اللہ کے یہاں ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ہمارے (مدرسہ میں) ایک استاذ ہے (پڑھائی کے زمانے میں) ایک مرتبہ وہ پڑھ رہے تھے، تو اس نے ایک استاد کے ساتھ زیادتی کی اور چلا گیا ،کئی دن کے بعد آیا تو میں نے ان کو کمرے میں پکڑ کر مارا (اللہ مجھے معاف فرمائے) اس کے بعد مجھے احساس ہو گیا تو یہاں (مدرسہ میں) ایک چھوٹا کمرہ ہے میں نے وہاں ان کے پیر پکڑے اور رو رو کر معافی مانگی۔ اس اللہ کے بندے نے بھی بہت رویا اور اس کو بھی احساس ہوا۔

بعض مرتبہ آدمی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے حد سے گذر جاتا ہے، اس معاملے میں بار بار مدرسہ کا ذمہ دار ہو، استاذوں کے ساتھ جو رویہ کرنا ہو اس میں

اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

میں اپنے آپ کو سب سے پہلے مخاطب بناتا ہوں، ہوجاتا ہے ایسا، کبھی آدمی غصہ میں قابو سے باہر ہوتا ہے۔ استاد ہے اپنے شاگروں کے ساتھ، ذمہ دار ہے اپنے ماتحتوں کے ساتھ، ہمیشہ اس معاملے میں بہت زیادہ حساس رہنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک اللہ کا معاملہ ہے ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو اللہ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرلی ،لیکن جو باہمی معاملات ہیں اس میں توبہ کے ساتھ ساتھ اس سے معاملہ صاف کرنا بھی ضروری ہے۔

اس لئے وہ حدیث ضرور یادرکھیں میں بھی آپ بھی جس بندے پر دوسرے کا کوئی حق ہو (اس پر زیادتی کی، اس پر ظلم کیا، اس کا مال چھینا) فَيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ ، قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ [1] اس سے معاملہ آج ہی ٹھیک کرواس دن کے آنے سے پہلے جس دن دینار ودراہم نہیں ہونگے۔ اگراس کے پاس عمل صالحہ ہونگے، تو بقدر ظلم لے لئے جائیں گے اور اگر اعمال صالحہ نہیں ہیں یا تھے ختم ہوگئے ابھی دوسروں کے حقوق مالی، جانی، ظلم زیادتی کی وجہ سے ادا نہیں ہوئے تو پھر أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ (تو اس صاحب حق کے گناہ لے کر حق تلفی کرنے والے پر لاددئے جائینگے) یہ سب چھوٹوں کو بھی بڑوں کو بھی مجھے بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو باربارسوچنے کی اوران کے تقاضوں پر مجھے اور بھی آپ سب کو بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں کئی جگہوں پر بہت ساری چیزوں پر کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے: ان میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا:: وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ کہ چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو۔ ان کا کام کیا ہو؟ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ بھلائی کی طرف دعوت دیں، ایمان کی طرف دعوت دیں وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ بھلے کاموں کا حکم دیں وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ اور برے کاموں سے روکتے رہیں وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿آل عمران: ١٠٤﴾ یہی لوگ کامیاب ہیں۔ یہ موقع اللہ نے ہم میں ہر ایک کو دیا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ گزارش کی تھی کہ دنیا بنانے والے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔ بعض مرتبہ آدمی اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے، اپنا علاقہ چھوڑ دیتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنا ملک تک چھوڑ دیتا ہے اس تلاش میں کہ مجھے دنیا بنانے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم ہو مگر دین کا، آخرت بنانے کا موقع ہر جگہ میسر ہے، اور آج کل کے زمانہ میں اپنے گھر میں موجود ہے، کامیابی حاصل کرنے کا موقع۔ یہی آیت: وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ [آل عمران: 104] اگر آدمی صرف اپنے گھر کے اندر اس آیت پر عمل کرنا چاہے تو گھر کے اندر بھی اس آیت پر عمل کر سکتا ہے۔ ''وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ'' معروف کا حکم اچھے کاموں کا حکم، بھلائیوں کا حکم۔

جتنے بھی یہاں ہم موجود ہیں بستی والے، ہم میں سے بہت سے گھر ایسے ہونگے جنکے بچے، جن کی بچیاں نمازوں سے محروم (اللہ بچائے محرومی سے) اب یہاں یہ امر بالمعروف کرنا گھر کے بڑوں کی ذمہ داری ہے، ہر فرد پر۔عمومی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام فرض کفایہ ہے کہ امت کے اندر ایسے افراد ہوں ایسی جماعت ہو جو عموماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دیں، نبھائیں۔اگر امت میں سے کچھ افراد کھڑے ہو گئے تو دوسروں کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہو جائے گا یہ فرض کفایہ ہے ۔لیکن جہاں تک اپنے گھر کا معاملہ ہے وہاں فرض کفایہ نہیں وہاں پر گھر کے بڑے پر فرض عین ہے باہر کا بندہ تھوڑے ہی آئے گا جو ہمارے بچوں کو، ہماری بچیوں کو، ہماری اہلیہ کو، ہماری والدہ کو، ہمارے بیٹے کو ، ہمارے بھائی کو گھر جا کر نماز کا حکم دے یہ موقع اللہ نے ہم کو فراہم کیا ہے کہ مسجد میں آیا اور مسجد میں آنے سے پہلے دیکھ رہا ہے کہ بیٹا سویا ہوا ہے، بیٹی سوئی ہوئی ہے، بیوی سوئی ہوئی ہے، بچہ سویا ہوا ہے، ان کو جگانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔حالانکہ ان کو جگانا اور ان کو نماز کے لئے آمادہ کرنا یہ تو ذمہ داری ہے۔ وَيَأۡمُرُونَ بِالۡمَعۡرُوفِ ۔بچہ کھانے میں کوتاہی کرے، پینے میں کوتاہی کرے، پڑھنے میں کوتاہی کرے تو پریشانی ہوتی ہے اور تلاوت چھوٹی تو پریشانی کیوں نہیں؟ اس کو اپنے گھر کے اندر تلاوت کا حکم کرنا ہے یہ بہت بڑا امر بالمعروف ہے۔اپنے گھر والوں کو اللہ سے مانگنے کا ڈھنگ اور طریقہ سکھانا اس کی ترغیب دینا، ذکر اللہ کی ترغیب دینا۔وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنكَرِ منکر سے روکیں۔تمہارے گھروں میں سے کونسا گھر ایسا ہوگا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس گھر کے اندر سینما ہال نہ ہو، ہر گھر اور ہر گھر کا ایک کمرہ تو ضرور ہی سینما ہال ہوتا ہے۔جو کچھ پہلے تیس سال چالیس سال پہلے، سینما ہال میں ہوتا تھا اس سے بدتر جو ہے ہمارے گھر کے اس سینما ہال میں ہوتا ہے جس

کے اندر ٹی وی رکھا ہوا ہے۔ بیٹی بھی دیکھ رہی ہے، بیوی بھی دیکھ رہی ہے اور گھر کے دوسرے بھی دیکھ رہے ہیں اس سے بڑا منکر کیا ہے اور اس کو دیکھ کر اب ذمہ داری کیا ہے؟ نہی عن المنکر۔ بیچارہ نہی عن المنکر کہاں کرے گا، سینما ہال خود جو بنا رکھا ہے۔ اب منع کسے کون کرے گا؟

بیٹی، بیوی گھر سے پردہ ہو کر نکل رہی ہے کہیں بازار، کہیں کالج، کہیں یونیورسٹی، کہیں کوچنگ سنٹر۔ یہ ہماری بیٹی ہماری بیوی ہماری بہن گھر سے باہر نکل رہی ہے اور اس حال میں نکل رہی ہے اپنے کو سجائے ہوئے ہے، فیشنی لباس زیب تن کئے ہوئے ہے اور بے پردہ نکل رہی ہے اس سے بڑا منکر کیا ہے؟ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ منکر سے روکیں۔ اور یہاں تو ضروری روکنا ہے، فرمایا: " مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَاسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ[1] " وہ حکم تو خصوصاً تھا، ایک جماعت کا، اب یہاں عمومی حکم ہے۔ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا۔ جو تم میں سے منکر دیکھے ایک تو مستقل کام جو کیا چلے گئے اور اس کام کے لئے مستقل محنت ہو وہ جو ہے فرض کفایہ۔ لیکن جہاں منکر دیکھا اپنے گھر میں دیکھا، باہر دیکھا یہاں فرض کفایہ نہیں فرض عین ہے۔ فرمایا: مَنْ رَأَى مُنْكَرًا۔ جو تم میں سے کوئی منکر دیکھے فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، اپنے ہاتھ سے روکے۔

یہ جو بیٹی، بے پردہ ہو کر فیشنی لباس پہن کر گھر سے باہر جا رہی ہے، بیوی جا رہی

---

[1] ۔[عن أبي سعيد الخدري:] مَن رَأى منكم مُنكَرًا فلْيُنكِرْه بيَدِه، فإنْ لم يَستَطِعْ فبِلِسانِه، فإنْ لم يَستَطِعْ فبِقَلْبِه، وذاك أضْعَفُ الإيمانِ..

شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ١١٨٧٦ • إسناده صحيح • أخرجه مسلم (٤٩)، وأبو داود (١١٤٠)، والترمذي (٢١٧٢)، والنسائي (٥٠٠٨)، وابن ماجه (١٢٧٥)، وأحمد (١١٨٧٦).

ہے بدترین منکر ہے۔ بدترین۔ اور پیغمبر علیہ السلام حکم دے رہے ہیں فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ اس منکر کو روک لے اپنے ہاتھ سے! یہاں تو ہاتھ استعمال کیا جا سکتا ہے، ہاتھ سے روکا جا سکتا ہے، یہاں زبان سے کہنا کافی نہیں، یا دل سے برا ماننا کافی نہیں، یہاں تو ہاتھ سے روکنا پڑے گا۔

زبان سے کہنا زبان سے روکنا وہاں ہے جہاں آدمی ہاتھ سے نہ روک سکتا ہو۔ جہاں ہاتھ سے روکا جا سکتا ہو وہاں زبان سے کہنا کافی نہیں، جہاں زبان سے روکا جا سکتا ہو وہاں دل سے برا ماننا کافی نہیں زبان سے روکنا پڑے گا۔ اور کچھ ایسے حالات ہوتے ہیں کہ زبان سے بھی نہیں بول پاتا بے چارہ اب آخری درجہ ہے کہ فَبِقَلْبِہٖ پھر اپنے دل سے بُرا مانے۔ یہاں یہ معاملہ ہے کہ بیٹی جا رہی ہے بیوی جا رہی ہے اور بے پردہ ہو کر جا رہی ہے، ہاتھ سے تو کیا روکتا، زبان سے تو کیا منع کرتا بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اس کو احساس ہی نہیں کہ منکر ہو رہا ہے اور بدترین جرم ہو رہا ہے اور اس جرم کی روک تھام میرے ذمہ فرض ہے، کتنی بڑی بے حسی ہے! کیا ایمانی غیرت ہی ختم ہو گئی؟ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ جہاں کوئی دیکھے استاذ بچے میں کسی سلسلے میں سستی دیکھے، نماز میں سستی، تلاوت میں سستی یا کسی بری عادت میں مبتلا دیکھے۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے۔ اسی طرح ہر بڑا چھوٹے کے بارے میں دیکھے۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ، وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ[1]

اگر یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ زندہ ہو جائے تو بے شمار منکرات

---

[1]۔ [عن عبد اللہ بن عمر:] کُلُّکُمْ راعٍ وکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عن رَعِیَّتِہِ، والأمِیرُ راعٍ، والرَّجُلُ راعٍ علی أهْلِ بَیْتِہِ، والمَرْأَۃُ راعِیَۃٌ علی بَیْتِ زَوْجِها ووَلَدِہِ، فَکُلُّکُمْ راعٍ وکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عن رَعِیَّتِہِ..

البخاری (ت ۲۵۶)، صحیح البخاری ۵۲۰۰ • [صحیح] • أخرجه البخاری (۵۲۰۰)، ومسلم (۱۸۲۹).

کی روک تھام ہوگی لیکن بے حسی چھائی ہوئی ہے۔ بڑوں پر بھی، چھوٹوں پر بھی، گھر والوں پر بھی، گھر کے بڑوں پر بھی، گھر کے چھوٹوں پر بھی یہ ہر کسی کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿آل عمران:۱۰۴﴾ یہی لوگ کامیاب ہیں۔

کون ہے جو دنیا میں کامیابی حاصل نہ کرنا چاہے؟ حالانکہ دنیا کی کامیابی سب کی سب عارضی اور فانی اور ختم ہونے والی ہے اور ہر کامیابی کے بعد ناکامی کا خطرہ ہے۔ لیکن آخرت کی کامیابی ابدی ہے دائمی ہے اور ایک مرتبہ جو کامیابی ملی اب ابدالآباد تک کوئی ناکامی کا خطرہ نہیں۔ ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی کا کوئی اندیشہ نہیں، ناکامی کا کوئی امکان نہیں کوئی احتمال نہیں۔ ایسی کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے تو مومن بندے کو اپنی جان نچھاور کر دینی چاہیئے، اپنا مال، اپنی عزت ہو سب اس کے پیچھے لگائے پھر بھی بہت سستا اور بہت ہی عظیم درجہ کا سودا ہے۔ اب گھر میں ہی یہ موقع میسر ہو رہا ہے پھر بھی ہاتھ سے جانے دے رہے ہیں۔ بار بار گزارش کی جاتی ہے کہ گھر جا کر دیکھئے کتنے بچے، کتنی جوان بیٹیاں ہیں جو سوئی ہوئی ہیں۔ کوئی احساس ہی نہیں، کتنی لمبی رات ہے بعض مرتبہ سوتے سوتے تھک جاتے ہیں اور فجر کی نماز نصیب نہیں ہو رہی ہے، اس سے بڑھ کر کوئی بے حسی نہیں۔

اللہ تعالیٰ میری بھی آپ حضرات کی بھی بے حسی کو دور فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر دینی احساس پیدا فرمائے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عظیم فریضہ ہے اللہ تعالیٰ اس فریضہ کو ہم سب کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو ہم سب کے لئے ابدی اور دائمی کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

خوف اور امید

حدیث میں ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ مومن بندے پر خوف بھی رہتا ہے اور ساتھ ساتھ امید بھی رہتی ہے۔ ہر چیز کا ایک اثر ہوتا ہے، اس ایمان کے بین الخوف والرجاء اس کا بھی اپنا ایک اثر ہے۔ اور ضرورت ہے کہ یہ اثر مومن بندے کے وجود کے اندر ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کے اندر جنت اور جہنم کا تذکرہ جگہ جگہ فرمایا، کہیں جنت کی بے شمار اور بہت ساری نعمتوں کا اللہ پاک نے صراحتاً تذکرہ فرمایا اور کہیں اللہ پاک نے ان کا اجمالاً تذکرہ فرمایا۔ امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں ملنے والی نعمتوں کا کہیں صراحتاً تذکرہ فرمایا اور کہیں اجمالاً۔ اسی طرح جہنم (اللہ بچائے) وہاں کے خوف ناک مناظر، وہاں کے عذابوں کا کہیں اللہ پاک نے صراحتاً تذکرہ فرمایا، کہیں اجمالاً۔

اسی طرح پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ألا وإنَّ الخيرَ كلهُ بحذافيرِهِ في الجنةِ او كما قال عليه السلام [1]

---

[1] عن شداد بن أوس: [كانت خطبةُ رسولِ اللهِ ﷺ: إن الدُنيا عرضٌ حاضِرٌ يأكلُ منها البرُ والفاجرُ، وإن الآخرةَ وعدٌ صادقٌ يقضِي فيها ملكٌ قادرٌ، ألا وإنَّ الخيرَ كلهُ بحذافيرِهِ فى الجنةِ، ألا وإن الشرَ كلهُ بحذافيرِهِ فى النارِ، واعملوا وأنتُم من اللهِ على حذرٍ، واعلموا أنكم معرضون على أعمالكُم وأنكم ملاقوا اللهِ ربكم لابدَّ منهُ، فمنْ يعملْ مثقالَ ذرةٍ خيرا يرهُ، ومن يعملْ مثقالَ ذرّةٍ شرا يرهُ..

الذهبی (ت ۷۴۸)، المهذب ۳/۱۱۴۴

خیر، بھلائیاں ،آرام، آسائشیں اپنی تمام اقساموں کے ساتھ، اپنی تمام انتہاؤں کے ساتھ ساری کی ساری جنت میں ہیں ۔ ہر طرح کی بھلائی ، ہر طرح کی راحتوں، ہر طرح کے سکون اور ہر طرح کے چین اور ہر طرح کے خوف وخطر سے امن ،وہ صرف اور صرف جنت میں ہےاور شر اپنے تمام اقسام کے ساتھ، اپنی تمام انتہاؤں کے ساتھ، سارا کا سارا جہنم میں ہے۔یعنی ساری بھلائیوں، خیر اورخوبیوں کا مرکز جنت اور سارے شر، ہر طرح کے عذاب اور ہر طرح کی پریشانی اور ہر طرح کی مصیبتوں کا سب سے بڑا مرکز دوزخ ہے۔

تو مومن بندہ ایک طرف جہنم کے عذابوں سے ڈرتا رہےاوراس کا اثر اس کے اندر محسوس ہو اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی جنت کی امید بھی رہے۔اسی لئے قرآن کی آیات کا ایک حق یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جہاں اُمید کی آیات ہوں، جنت کی آیات ہوں ،جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ہو،تو مومن بندے پر خوشی کے اثرات ظاہر ہوں اور جہاں جہنم اور عذاب وغیرہ کے معاملات ہیں ان کا جہاں بیان ہو،مومن بندے کے اندر خوف کا اثر محسوس ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کی رعایت سے جنت کی عظیم نعمتوں کا، پوری خوبیوں کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ جو جو چیزیں مومن بندوں کی سمجھ میں آسکتی تھیں ان کو سمجھا دیا، یعنی جن کی مثالیں دنیا میں ہیں، وہاں کے باغات کا، وہاں کے میووٴں کا، وہاں کی نعمتوں کا، وہاں ملنے والی حوروں اور وہاں جو خدام ہیں جنتیوں کے لئے ان کا تذکرہ ان کی تعریفیں قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان کی گئی تفصیل کے ساتھ اور کچھ خلاصہ کے طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ أُخۡفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعۡيُنٍ ﴿السجدة: ١٧﴾ کوئی

نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک وہاں چھپائی گئی ہے۔اسی طرح پیغمبر علیہ السلام نے جنت کی بے شمار نعمتوں کا تذکرہ کیا اور ساتھ ساتھ حدیث قدسی کی صورت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت و لا اذن سمعت [1] میں نے اپنے اچھے صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا۔تو مومن بندے پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، جہاں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ہو ایک مومن بندے کے اندر ایک امید کا اثر نمایاں ہو اور ظاہر ہو اور جنت میں جانے کی آرزو اور تمنا ہو اور اللہ سے دل کی گہرائیوں سے جنت مانگے۔اسی طرح جہنم کا تذکرہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے۔

سیدنا حضرت عمرؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم مقام عطا فرمایا ان کی اس امید اور خوف والی کیفیت کا کیا اثر تھا۔فرمایا: اگر قیامت کے دن یہ اعلان ہو جائے کہ سارے کے سارے دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک آدمی کے کہ اسے جنت میں لے لیں گے، سیدنا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میری امید کا حال یہ ہے کہ میں امید رکھوں گا کہ شاید (جنت میں جانے والا اکیلا) میں ہی ہوں اور خوف کی حالت کیا تھی کہ اگر یہ اعلان ہو جائے کہ سارے کے سارے جنت میں جائیں گے، بس ایک آدمی جہنم میں جائے گا تو سیدنا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ ڈر ہو گا کہ کہیں خدانخواستہ وہ میں ہی نہ ہوں [2]۔

---

[1]۔[عن أبي هريرة:] يقولُ اللهُ أعددتُ لعبادي الصالحين ما لا عينٌ رأتْ ولا أذنٌ سمعتْ ولا خطرَ على قلبِ بشرٍ. صحيح ابن ماجه ٣٥١٠ • صحيح • أخرجه البخاري (٣٢٤٤)، ومسلم (٢٨٢٤).

[2]۔عَنْ يَحْيَى بْن أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضي الله عنه قَالَ لَوْ نَادَى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ دَاخِلُونَ الْجَنَّةَ كُلُّكُمْ أَجْمَعُونَ إِلا رَجُلا وَاحِدًا لَخِفْتُ أَنْ أَكُونَ هُوَ وَلَوْ نَادَى مُنَادٍ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ دَاخِلُونَ النَّارَ إِلا رَجُلا وَاحِدًا لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ هُوَ. حلية الأولياء لأبي نعيم (٥٣١١)

تو جنت کی بے شمار نعمتوں کا اللہ پاک نے جگہ جگہ عظیم الشان انداز میں بندوں کے سامنے تذکرہ فرمایا ہے۔ بندوں کو چاہئے کہ ان نعتوں پر غور کریں اور ان نعمتوں کے ملنے کی امید پر اللہ تعالیٰ کی بندگی، عبادات، نماز، تلاوت، اصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ان چیزوں کو کیا جائے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لایا جائے۔لیکن اللہ پاک نے جنت کا تذکرہ اور جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کیا اس میں اس بات کی گویا کہ ترغیب دلائی گئی کہ ان سارے نعمتوں کے ملنے کی بنیاد پر بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اسی طرح جہنم کے عذاب سے بچنے میں بھی۔

میں بار بار کہا کرتا ہوں کہ ہم سب کو، ہمارے گھر والوں کو، اپنے بارے میں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں سردی اور گرمی سے بچاؤ کی کس قدر فکر رہتی ہے کہ شاید کوئی ایسا گھر ہو جس کے گھر میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک کے پاس مثلاً پھرن نہ ہو، گرم بنیان نہ ہو، موزہ نہ ہو اور دوسری سردی سے بچاؤ کی چیزیں نہ ہو ں۔غریب کا اپنے اعتبار سے اور امیر کا اپنے اعتبار سے۔ ہر کوئی فکر کر رہا ہے، اگر کسی چیز کے انتظام میں ذراسی کمی رہ گئی کہ گھر کے سب افراد کے یہاں کانگڑیوں کا ماحول ہے، اب ایک گھر کے فرد کے پاس کانگڑی نہیں بے چین، فکر مند جب تک اس کے پاس کانگڑی نہ آئے۔اسی طرح فرن نہیں ہے تو بے چین جوتا نہیں ہے تو بے چین، موزہ نہیں ہے تو بے چین اور فکر رہنی بھی چاہئے۔لیکن اس کے مقابلے میں جہنم کے آگ سے بچانے کی فکر بہت کم۔

اکثر جب ہم اپنے معاشرے میں، اپنے گھروں میں اور خود اپنی حالات میں نظر

ڈالتے ہیں، جتنی فکر ہم کو سردیوں سے بچاؤ کی ہوتی ہے اس قدر جہنم کی آگ سے بچاؤ کی فکر نہیں۔ اسی لئے سردی سے بچاؤ کے لئے جب بھی کوئی چیز ہمارے پاس مہیا ہوتی ہے اور ہم کو یہ موقع ملتا ہے کہ ہم اس چیز کو حاصل کر سکتے ہیں، ہم اس میں تاخیر نہیں کرتے، بس فوراً انتظام کرتے ہیں، حالانکہ بچاو کا کسی قدر انتظام بھی ہوتا ہے لیکن سوچتے ہیں اگر یہ چیز بھی ہوتو اور زیادہ بچاؤ ہوگا تھوڑی بہت جو سردی کبھی لگتی ہے وہ بھی نہیں لگے گی فوراً انتظام کریں گے۔ لیکن اس کے مقابلے میں جہنم کی آگ سے بچاؤ کی فکر جس قدر ہونی چاہئے اس قدر نہیں۔ بہت سارے ایسے مواقع ہوتے ہیں کہ جہاں جہنم کی آگ سے بچاؤ کا بہترین موقع تھا لیکن ہم کھو بیٹھے۔ جنت کے حصول کا بہترین موقع تھا لیکن ہم کھو بیٹھے۔

تو بہر حال ایمان نام ہے خوف اور امید کے درمیان والی حالت کا اس حالت کا ہمارے اوپر اور ہم سب کے گھر والوں پر اثر ہونا چاہئے اور اس اثر کو ہمیں اپنے اندر تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کے ایمان کو کامل بنائیں، خوف اور امید کا جو اثر ہماری زندگیوں میں، ہمارے حالات میں، ہمارے معاملات میں، ہمارے اخلاق میں، ہمارے عادات میں، ہمارے رہن سہن میں ہونا چاہئے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر ہر قدم پر اس اثر کو ظاہر اور نمایاں فرمائے۔ آمین۔

دو طرح کی یادیں

دو یادیں مومن بندے کے لئے بہت ہی ضروری ہیں، ان کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ایک اپنے رب کی یاد (زبان سے بھی ہو، دل سے بھی ہو اور عمل سے بھی ہو)۔ اسی لئے اللہ پاک نے نماز اور اپنے ذکر کو اپنی یاد ہی کے لئے لازم قرار دیا۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿طه: ١٤﴾ اور مستقل ذکر کا اللہ پاک نے حکم بھی دیا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿الأحزاب: ٤١﴾ اور امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مکلف بنایا گیا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ لگے رہیں، جمے رہیں، آپ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا کریں جو اپنے رب کو صبح وشام یاد کرتے ہیں اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں۔ فرمایا: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ﴿الكهف: ٢٨﴾

روکیں آپ اپنے آپ کو، جمائے رکھیں، بیٹھے رہیں، کن کے ساتھ؟ مَعَ الَّذِينَ ان لوگوں کے ساتھ يَدْعُونَ رَبَّهُم جو اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ صبح وشام اور رب کو پکارنے سے مقصد ان کا کیا ہے؟ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ اللہ کی رضا کو چاہتے ہیں، اللہ کی خوشنودی کو چاہتے ہیں۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ اپنی (مبارک) نگاہیں ان کی طرف سے مت ہٹایئے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ

اَمۡرُہٗ فُرُطًا اور آپ اطاعت نہ کریں، آپ کہنا نہ مانیں، آپ کوئی توجہ نہ دیں، مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا اس شخص کی طرف جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا رکھا ہے۔

ہم میں سے ہر ایک سوچے کہ العیاذ باللہ، العیاذ باللہ ایسا تو نہیں کہ میرا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے۔

اللہ کی یاد دل میں ہو، اس کے اثرات زندگی کے ہر ہر شعبے میں پڑتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غفلت دل کی موت ہے، اس دل کی موت کے اثرات زندگی کے ہر ہر شعبہ میں پڑتے ہیں۔ اس لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ، مَثَلُ الحيِّ وَالميِّتِ[1]“ مثال ان لوگوں کی جو اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور ان لوگوں کی جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتے **کمثل الحی والمیت**۔ زندہ اور مردہ کی سی ہے اپنے رب کا ذکر کرنے والا، اپنے رب کو یاد کرنے والا ہو، وہ تو زندہ ہے اور اپنے رب کی یاد سے غافل وہ مردے کی طرح ہے۔

ایک تو ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بسی ہو، زبان سے بھی اس (ذکر اللہ) کا حکم ہے۔ لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ[2]۔ اور دل کا معاملہ زیادہ ہی اہم ہے اور جب زبان اور دل میں اللہ کی یاد ہوگی تو اس کے اثرات بہر حال عمل پر پڑیں گے اور مومن بندے کے ہر عمل سے اللہ کی یاد ٹپکے گی، حتی کہ اگر وہ تجارت میں ہو، وہ ملازمت میں ہو، وہ لین دین میں ہو، وہ خوشی میں ہو، وہ غمی میں ہو، ہر عمل سے اللہ کی یاد ظاہر ہوگی اور جو شخص اللہ کی یاد سے غافل ہو اس

---

[1]۔[عن أبي موسى الأشعري:] مَثَلُ الذي يَذْكُرُ رَبَّهُ والذي لا يَذْكُرُ رَبَّهُ، مَثَلُ الحَيِّ والمَيِّتِ..
أخرجه البخاري (٦٤٠٧)، ومسلم (٧٧٩).

کے ہر عمل سے غفلت ٹپکے گی۔

تو ایک تو اللہ تعالیٰ کی یاد ہے، اور دوسری چیز آخرت کی یاد، آخرت کی فکر ہے۔ یہ فکر آخرت مومن بندے کی زندگی کو اس کی زندگی کے رخ کو درست کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، ہر وقت آخرت کا استحضار، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا استحضار۔ تو فرمایا: وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿النازعات: ۴۰﴾ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کے سلسلے میں ڈرتا رہا کہ مجھے زندگی کے ہر ہر شعبہ کا جواب دینا پڑیگا، میں بڑا ہوں تو اس بڑے ہونے کا جواب دینا پڑے گا، میں چھوٹا ہوں چھوٹا ہونے کا جواب دینا پڑے گا، ذمہ دار ہوں تو بحیثیت ذمہ دار جواب دینا ہے، استاذ ہوں تو بحیثیت استاذ جواب دینا ہے۔ طلباء اللہ کی عظیم نعمت ہیں استاذ ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔ جس کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا، جس کے دل کے اندر آخرت کی یاد ہوگی اور آخرت میں جوابدہی کا استحضار ہوگا، وہ ہر ہر معاملہ میں ہر قدم اٹھانے سے پہلے سوچے گا۔ تو مومن بندے کی زندگی کو بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی فکر کو بہت زیادہ دخل ہے۔ اسی لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ جو ہیں اکثر و بیشتر وہ فکر آخرت پر ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں جگہ جگہ پڑھتے ہیں، اسی لئے دین کی بنیاد کے اندر تین چیزیں بہت ہی زیادہ اہم ہیں۔

ایک اللہ کی توحید، دوسری انبیاء کی رسالت اور تیسری معاد یعنی مرنے کے بعد والی زندگی۔ اسی لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اور صرف ان لوگوں کو سمجھدار قرار دیا ہے جو معاد کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ فرمایا: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ

نَفْسَهُ [1] سمجھ دار وہ ہے جو اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھے۔ یہ نفس کا کنٹرول میں رکھنا کارے دارد والا معاملہ ہے کئی مجاہدے کرنے پڑتے ہیں کہ نفس کنٹرول میں رہے۔ اسی لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہادر وہ نہیں جو مدمقابل کو پچھاڑ دے، بلکہ بہادر وہ ہے من یملک نفسه عند الغضب جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ چنانچہ فرمایا: وَعَمِلَ لما بَعْدَ الموْتِ، جس کو معاد سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کی تیاری میں لگا ہوا ہے، یہی ہے عقلمند۔

وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَه هَواهَا اور نامسجد وہ ہے کہ جو جی میں آرہا ہے کر گزر رہا ہے، اس کو انجام پر نظر ہی نہیں۔ جانور کی طرح کھانے میں پینے میں اور اپنی ضروریات کو پوری کرنے میں بالکل جانور بنا ہوا ہے، حلال، حرام، جائز ناجائز اس کے یہاں کوئی معاملہ ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہی کا استحضار ہے ہی نہیں وتمنّٰی عَلَی اللهِ اور تمنائیں پتہ نہیں کیا کیا ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی یاد اور فکر آخرت سے ہمارا دل معمور ہونا چاہئے، اس لئے قرآن نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ(۷) جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴿البینة: ۸﴾

ان کے لئے جنت کی ابدی نعمتیں ہیں اور جنت سے بڑھ کر فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔ یہ جنت اور

---

[1] ۔[عن شداد بن أوس:] الكيّس من دانَ نفسهُ، وعملَ لما بعد الموتِ، والعاجزُ من أتبعَ نفسهُ هواها، وتمنّى على اللهِ. ۔البغوي (ت ٥١٦)، شرح السنة ٧/٣٣٣ • حسن • أخرجه الترمذي (٢٤٥٩)، وابن ماجة (٤٢٦٠)، وأحمد (١٧١٢٣)

جنت کی ابدی نعمتیں، اللہ کا ان سے راضی ہونا اور ان کا اللہ سے راضی ہونا، یہ کس کے لئے ہے؟ فرمایا: ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ یہ اس کے لئے ہیں جس کے دل کے اندر خشیت الٰہی ہو، اس لئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴿فاطر: ۲۸﴾ کہ بس اللہ کے بندوں میں سے سب سے زیادہ خشیت رکھنے والے تو علماء ہی ہوتے ہیں۔

وہ عالم عالم کہلانے کے لائق نہیں جس میں خشیت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حصر کے ساتھ فرمایا: "اِنَّمَا" بس۔ يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا جاننے والے ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ جن کے سامنے آخرت کا معاملہ ہو، جو اس بات کو جانتے ہیں کہ مجھے اپنی ایک ایک حرکت کا اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب دینا ہوگا اور یہ تب ہی ہوگا جب اس کا پتہ ہوگا کہ یہ چیز جائز ہے، یہ چیز ناجائز ہے، یہ چیز حلال ہے، یہ چیز حرام ہے، اس پر اجر ملے گا، اس پر عذاب ملے گا۔ جب ان چیزوں کا علم ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا۔ لیکن یہ معاملات کرتے وقت ڈرتا ہی نہیں تو ایسے علم سے پیغمبر علیہ السلام نے پناہ مانگی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ[1] بندے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں ہمیشہ بٹھائے رکھے اور فکرِ آخرت کو سامنے رکھ کر آخرت کے معاملے کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزارے۔

اللہ تعالیٰ میرے دل میں بھی، آپ حضرات کے دلوں کے اندر بھی اپنی یاد کو جمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا فکر آخرت نصیب فرماوئے کہ ہر معاملے میں اپنی اُخروی اور ابدی زندگی کو سامنے رکھ کر ہم کوئی فیصلہ کریں۔

---

[1]۔ [عن أبي هريرة:] اللّٰهمَّ إني أعوذُبك من علمٍ لا ينفعُ، ومن قلبٍ لا يخشعُ، ومن نفسٍ لا تشبعُ، ومن دعاءٍ لا يُسمعُ.. صحيح النسائي ۵۵۵۲ • صحيح • أخرجه أبو داود (۱۵۴۸)، والنسائي (۵۵۳۶)، وابن ماجه (۲۵۰)، وأحمد (۸۴۶۹).

قرآن سے نصیحت

نصیحت کی باتیں ہم مختلف مواقع پر مختلف اللہ کے بندوں سے سنتے رہتے ہیں اور ہر نصیحت فائدہ کی چیز ہے، نصیحت سے بندوں کو فائدہ ہوتا ہے اور پورے کا پورا دین جو ہے وہ نصیحت ہے۔ "اَلدِّیْنُ النَّصِیحَۃُ"[1] (دین خیر خواہی کا نام ہے)، سب سے بڑی نصیحت، سب سے عظیم نصیحت جو ہے وہ قرآن مقدس ہے۔ لیکن نصیحت کرنے والے کی نصیحت کا فائدہ سب کو یکساں نہیں ہوتا۔ کسی بھی شخص سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے کچھ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، جس بندے کے اندر، جس انسان کے اندر وہ چیزیں جس قدر زیادہ ہونگی تو وہ نصیحت سے اسی قدر فائدہ اٹھائے گا۔

قرآن مقدس جو سب سے عظیم نصیحت ہے اس عظیم نصیحت سے سب سے زیادہ فائدہ کس کو ملے گا؟ قرآن مقدس میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (حاقه:۴۸) کہ بلاشبہ یہ یعنی قرآن مقدس لَتَذْكِرَةٌ البتہ نصیحت ہے، یقیناً نصیحت ہے کس کے لئے؟ لِّلْمُتَّقِيْنَ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے فکر آخرت رکھنے والوں کے لئے ان لوگوں کے لئے جن کے

---

[1]-[عن تمیم الداری:] إنّ الدِّينَ النَّصيحةُ، إنّ الدِّينَ النَّصيحةُ، إنّ الدِّينَ النَّصيحةُ. قالوا: لِمَن يا رسولَ اللهِ؟ قال: للهِ، ولكِتابِه، ولنَبيِّهِ، ولأئمَّةِ المؤمِنينَ وعامَّتِهم..

شعيب الأرنؤوط (ت ۱۴۳۸)، تخريج المسند ۱۶۹۴۵ • إسناده صحيح على شرط مسلم • أخرجه مسلم (۵۵)، وأبو داود (۴۹۴۴)، والنسائی (۴۱۹۷)، وأحمد (۱۶۹۴۵).

دل و ماغ میں ہر وقت یہ بات گونجتی رہتی ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ مجھے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی زندگی ، اپنی جوانی ، مال، علم ان ساری چیزوں کا حساب دینا ہے[1] ، اس استحضار کے ساتھ وہ زندگی گزارتا ہے ، اور گناہوں سے بچتا ہے، اس بندے کے لئے قرآن یقیناً نصیحت ہے۔ ہم کو جو قرآن پاک پڑھ کر قرآن پاک سن کر قرآن کی تفسیر پڑھ کے یا قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ کے جو فائدہ ہونا چاہئے تھا، جو تبدیلی ہماری زندگیوں پر اس قرآن کی نصیحت سے ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہو پاتی اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نصیحت کو حاصل کرنے کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہے یعنی تقوے کی صلاحیت وہ کما حقہ نہیں ہے، اسی لئے قرآن کی نصیحت سے جو ہمارے اندر تبدیلی ہونی چاہئے وہ نہیں آتی ۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کا معاملہ بالکل عجیب وغریب ہوتا تھا۔ حضرت عکرمہ جو عظیم ؓ جب قرآن کھولتے تو یوں فرما کر کہ "انہ لکلام ربی [2] " یہ تو میرے رب کا کلام ہے لکھا ہے کہ بعض مرتبہ بے ہوش ہوجاتے حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر کوئی آیت سنی تو کئی دن تک بخار وغیرہ سے طبیعت پر بہت اثر پڑا۔

ہمیں اول تو اس قرآن جو سراپا نصیحت ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں اگر کسی نے کمال ہی کر دیا تو بس تلاوت کی حد تک اس سے آگے نہیں اور اس سے اگر آگے ہے بھی تو محض اس غرض سے کہ معلومات میں اضافہ ہو، دوسروں کو ترجمہ پڑھا سکوں، دوسروں کو تفسیر پڑھا سکوں، تقریر کر سکوں وعظ کر سکوں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس

---

[2] ۔ قال عبد الله بن أبي مليكة: كان عكرمة بن أبي جهل رضي الله عنه يأخذ المصحف فيضعه على وجهه فيقول: كتاب ربي عز وجل، وكلام ربي عز وجل. المستدرك على الصحيحين (۲۶۷۱۴)

قرآن کو پڑھ کر میری زندگی بدلے اس قرآن سے میں نصیحت حاصل کرلوں، اس غرض سے ہم میں سے کون کس قدر شغف وتعلق رکھتا ہے ہر آدمی اپنی جگہ سوچے۔ ہر آدمی اپنے بارے میں خوب سوچ سکتا ہے اور کسی نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ ایک دوسرے کے بارے میں آدمی کوئی گمان کرلے وہ تو بہرحال گمان ہے۔ لیکن اپنے بارے میں خود سوچ سکتا ہے اور پنے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ میرا قرآن کے ساتھ کس قدر تعلق ہے اور جو بھی کچھ تعلق ہے تلاوت کے بعد تفسیر پڑھنے کی لائن سے ترجمہ پڑھنے کی لائن سے قرآن کے مطالعہ کی لائن سے اس میں میرا مقصد کیا ہے؟۔ اگر نصیحت حاصل کرنا، اپنی زندگی کے اندر تبدیلی لانا اور اس قرآن کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا اور قرآنی احکام والی زندگی کو تمام شعبوں میں پہلی جگہ دینا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر ابھی تک یہ چیز نہیں خالی الذہن ہوکر مطالعہ کرر ہا ہے، طلباء کو پڑھانے کی نیت سے مطالعہ کرر ہا ہے، عظیم کام ہے طلباء کو پڑھانا، پڑھنے کی نیت سے مطالعہ کرر ہا ہے یہ بھی عظیم مقصد ہے، لیکن اصل مقصد جو ایک مومن بندے کا ہونا چاہئے جس کو پہلی ترجیح ہو وہ یہ ہو کہ اس قرآن کے سمجھنے کا اثر خود میری ذات پر پڑ جائے، میری آنکھوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے، میری زبان پر، میرے کانوں پر، میرے ہاتھ پیر پر، میری تجارت پر میرے لین دین پر میرے معاملات پر اور دوسری چیزوں پر قرآن کا اثر پڑھ جائے، ماں باپ کی خدمت سے متعلق۔

دیکھو قرآن نے ماں باپ کے بارے میں کیا فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا (۲۳) وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل ۲۴)

اب یہ قرآن کی آیت پڑھتا بھی ہے اس کا ترجمہ بھی جانتا ہے اس کی تفسیر بھی جانتا ہے، لیکن جہاں ماں باپ کے سامنے گفتگو کا موقع آگیا تو وہ ادب ملحوظ بھی رکھتا ہے یا نہیں رکھتا؟

قرآن کا جو یہ حکم ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا يَصْنَعُوْنَ (النور ۳۰)

اس کا میری آنکھوں پر اثر آ گیا یا نہیں کیا یہ حکم میری انکھوں میں داخل ہوا یا نہیں ہوا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (الإسراء ۳۶)

یہ جو قرآن کا ارشاد ہے اس کا اثر میرے کانوں پر، میری آنکھوں پر، میرے دل پر کس قدر پڑا؟ ہر آدمی اپنی جگہ سوچے۔

تو بہر حال کسی بھی شخص سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے عقیدت ہو اعتماد ہو اور دوسری چیزیں ہوں اسی طرح قرآن سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے بہت ساری دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ سب سے اہم معاملہ جو ہے وہ مومن بندہ کا متقی ہونا ہے۔ جس قدر ایمان کے ساتھ تقوی کی دولت حاصل ہوگی اسی قدر قرآن کے مطالعہ کرنے والے کے لئے عظیم نصیحت ثابت ہوگا اور قرآن کی تلاوت کے دوران ہی وہ اپنے اندر تبدیلیاں محسوس کرے گا اور جس قدر تقویٰ کی اس عظیم دولت سے دوری ہوگی محرومی ہوگی اسی قدر قرآن پاک سے نفع اٹھانے سے وہ دور رہ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرے اندر بھی اور آپ حضرات کے اندر بھی وہ تقویٰ اور وہ پرہیز گاری پیدا فرمائے جس کی برکت سے قرآن ہمارے لئے سراپا نصیحت بن جائے۔ آمین۔

دنیا میں سردی سے بچنے کی فکر

اور آخرت کی آگ سے بچنے میں بے فکری!

آج کل سردی کا زمانہ ہے، ہر ایک کے پاس اپنی اپنی حیثیت سے سردی کے بچاؤ کا کسی نہ کسی حد تک انتظام ہے۔ بعض کے لئے ہر طرح کی سہولتیں ہیں اور بعض کے لئے کچھ ہے اور کچھ نہ کچھ سردی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا آرام دیا ہے اور انہوں نے اپنے لئے ہر طرح کی سہولتوں کا انتظام کر رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اور جن کے پاس کمی ہے تلافی نہ ہوسکتی ہو تو ان کو اللہ تعالیٰ کے لئے صبر کرنا چاہئے۔ اس سردی سے بچاؤ کے لئے جس کے پاس جتنا کچھ ہوسکتا ہو وہ کرلیتا ہے، مثلاً گرم کپڑوں کا انتظام ہوتا ہے، کانگڑی کا انتظام کرتا ہے، ہیٹر کا انتظام، بخاری کا انتظام کہیں حمام کا انتظام جس سے جو کچھ بن پڑتا ہے وہ کرلیتا ہے۔ لیکن بہر حال یہ سردی ختم ہونے والی ہے پھر گرمی آئے گی پھر آدمی گرمی کا انتظام کرلیتا ہے، گرم کپڑوں کے بجائے ایسے کپڑوں کا استعمال کرتا ہے جن میں گرمی نہ لگے، باریک قسم کے کپڑے۔ پھر پنکھوں کا انتظام، اے سی کا انتظام، جس کو جیسی حیثیت ہوتی ہے ہر آدمی گرمی اور سردی سے بچنے کا اپنی وسعت اور اپنی طاقت کے مطابق انتظام کی بھرپور کی

کوشش کرتا ہے۔اور سردیوں سے بچنے کے لئے گرمی کا انتظام اور گرمیوں سے بچنے کے لئے سردی کا انتظام۔حالانکہ یہاں کی سردی، یا یہاں کی گرمی وقتی ہے ختم ہونے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخاطب کر کے حکم دے رہے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿التحريم:٦﴾

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو(جس طرح سردی سے بچاؤ کا انتظام کرتے ہیں گرمی سے بچاؤ کا انتظامکرتے ہیں اسی طرح اللہ حکم دیتے ہیں)۔ قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا بچاؤ اپنے آپ کو اور بچاؤ اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے۔ایسی جہنم کی آگ وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اب ہم میں سے ہر ایک سوچے میں جتنا سردی سے بچاؤ کا انتظام کرتا ہوں، آج کل جتنا میرے بس میں ہے میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑتا، اپنے لئے بھی اور اپنے گھر والوں کے لئے بھی، مالدار اپنے مالداری کو سامنے رکھ کر اور غریب آدمی اپنی غربت کو سامنے رکھ کر جو کچھ اس سے بن پڑتا ہے اپنے لئے اپنے گھر والوں کے لئے، بیوی بچوں کے لئے سردی سے بچاؤ کا انتظام کر لیتا ہے۔

اب آدمی سوچے کہ کیا میں اسی طرح اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے جہنم سے بچاؤ کا اس انداز سے سامان کر رہا ہوں کہ نہیں؟ جتنی فکر مجھے سردی سے بچنے

کی ہے اتنی جہنم سے بچاؤ کی فکر ہے یا نہیں؟ ایک آدمی کے پاس سردی سے بچاؤ کے بہت سارے انتظام ہو سکتے ہیں اللہ نے وسعت دی ہے، گنجائش دی ہے، وقت دیا ہے، سب کچھ دیا ہے، لیکن پھر بھی نہیں کرتا کس قدر ناشکرا ہے، سب اس کو طعنے دیں گے کہ بھائی اتنی سردی کڑاکے کی کہ تم بخاری کا بھی انتظام کر سکتے ہو، تم کانگڑی کا انتظام کر سکتے ہو، تم فرن کا انتظام کر سکتے ہو، موزوں کا انتظام کر سکتے ہو، اور دوسری چیزوں کا اپنے لئے اپنے اہل وعیال کے لئے انتظام کر سکتے ہو پھر بھی نہیں کرتے، یہ کیا بے حسی ہے، اتنی کڑاکے کی سردی، یہ بے حسی کی علامت ہے کہ قدرت کے باوجود انتظام نہیں کرتا ہے۔

اس سے بڑی بے حسی یہ ہے کہ آدمی جہنم سے بچاؤ کا بہت سارا انتظام وسامان کر سکتا تھا لیکن نہیں کر رہا مثلاً نار جہنم سے بچنے کا بہت بڑا سامان، بہت بڑا ذریعہ، مثلا تقویٰ ہے۔اس کو فرمایا: وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ﴿الأعراف: ۲۶﴾ جیسے لباس کے اندر آدمی اپنے آپ کو پورا ڈھانپ لیتا ہے، جہاں جہاں لباس کے اندر بدن کا جو حصہ چھپ جاتا ہے وہاں سردی اثر نہیں کرتی، اسی طرح جہاں جہاں لباس تقویٰ ہو تو جہنم کی آگ سے بھی بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے، تقویٰ کا لباس جیسے ہمارا فرن جسم کے اکثر حصہ کو ڈھانپ لیتا ہے، تو اسی طرح تقوے کا لباس ہمارے پورے جسم کے اندر اس انداز سے ہو کہ کوئی بھی جسم کا عضو تقویٰ کے لباس سے باہر نہ رہے اور تقویٰ کا لباس آنکھوں پر بھی ہو، تقویٰ کا لباس کان پر بھی ہو، زبان پر بھی ہو، ہاتھ پیروں پر بھی ہو اور جسم کے بقیہ اعضا پر بھی ہو۔ اسی طرح ہمارے پاس نماز جہنم کی آگ سے

بچاؤ کا دوسرا بہترین سامان ہے اس میں پانچ وقت نمازوں کا بہترین انداز سے ادا کرنے کی پوری کوشش کرنا، نوافل کی کثرت کا اہتمام اور تہجد کو تو جہنم سے بچاؤ کے اندر خاص اثر ہے اور بہت بڑا سامان ہے اللہ تعالیٰ سے رو رو کے نارِ جہنم سے پناہ مانگنا: اَللّٰھُمَّ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ[1] پیغمبر علیہ السلام جہنم کی آگ سے بہت پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا اور اللہ تعالیٰ سے مختلف طریقوں سے دعائیں مانگنا، اللہ کا ذکر جہنم کی آگ سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اپنی اپنی حیثیت سے صدقہ و خیرات کرنا جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ، قرآن پاک کی تلاوت جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ، اپنے پڑھے ہوئے پر عمل کرنا جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ، علم دین کا پڑھنا اور علم دین کا پڑھانا اخلاص کے ساتھ اور استحضار کے ساتھ جہنم کی آگ سے بچاؤ کا بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بہت سارے اسباب بہت سارے ذرائع ایسے ہیں جو ہم جہنم کی آگ سے بچاؤ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں اور اللہ کا حکم بھی ہے، کر بھی سکتے ہیں وقت بھی ہے، سب کچھ ہے لیکن غفلت کی وجہ سے نہیں کر پاتے ہیں۔ جبکہ سردیوں سے بچاؤ کے لئے اسباب کو اختیار کرنے میں ہم غفلت نہیں برتتے جتنا جس سے ہوسکتا ہے کر لیتا ہے۔

ہر آدمی سوچے کہ میں اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ

---

[1]۔[عن الحارث بن مسلم التميمي:] قال النبيُّ ﷺ: إذا صلَّيتَ الصُّبحَ فقُلْ قبلَ أنْ تتكَلَّمَ: اللَّهمَّ أجِرْني مِنَ النّارِ سَبعَ مرّاتٍ، فإنّكَ إنْ مِتَّ مِن يومِكَ كتَبَ اللهُ لك جِوارًا مِنَ النّارِ، وإذا صلَّيتَ المَغرِبَ فقُلْ قبلَ أنْ تَتكَلَّمَ: اللَّهمَّ أجِرْني مِنَ النّارِ سَبعَ مرّاتٍ، فإنّكَ إنْ مِتَّ مِن لَيلتِكَ كتَبَ اللهُ لكَ جِوارًا مِنَ النّارِ.. المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ١/٢٢٣ • [إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما] • أخرجه النسائي في »السنن الكبرى« (٩٩٣٩)، وأحمد (١٨٠٥٤). وأخرجه أبو داود (٥٠٧٩) عن مسلم بن الحارث..

کا کس قدر سامان کر سکتا ہوں اور اس میں کتنا کر رہا ہوں اور کتنا کرنا باقی ہے؟ دیکھو! جو کچھ کرے گا آدمی سارا کا سارا دیکھے گا۔ ابھی یہ آیت پڑھی گئی۔ يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ﴿۴۰﴾ (النبأ: ۴۰)

جس دن دیکھے گا آدمی جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ نمازوں کو دیکھے گا، تلاوت کو دیکھے گا، ذکر کو دیکھے گا، تقوے کو دیکھے گا، اللہ کی یاد کو دیکھے گا، صدقات و خیرات کو دیکھے گا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دیکھے گا، اخلاص کے ساتھ کی ہوئی دینی خدمات کو دیکھے گا، اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کام آنے کو دیکھے گا، سارے کا سارا دیکھے گا۔ ایسے ہی اللہ بچائے اللہ بچائے بدنگاہی کو دیکھے گا، غیبتوں کو دیکھے گا، جھوٹ کو دیکھے گا، بے حیائی اور بے شرمی کو دیکھے گا، حیا سوز حرکتوں کو جو تنہائی میں کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے ان کو دیکھے گا حالانکہ اللہ دیکھ رہا تھا، اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی دیکھ رہے تھے اور لکھ بھی رہے تھے تو وہ سارا کا سارا دیکھے گا۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۷﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۸﴾ (الزلزلة) ذرا برابر خیر کیا ہو وہ بھی دیکھے گا اور ذرا برابر کوئی شر کا معاملہ کیا ہو اس کو بھی دیکھے گا۔

خلاصہ! اس سردی اور گرمی میں ہم بچاؤ کے سامان کی جس قدر فکر کرتے ہیں اور کرنی چاہئے اس سے زیادہ ہم کو اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ مجھے بھی نصیب فرماوے۔ اللہ آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائے، اللہ پوری امت کو نصیب فرماوے۔ اور اس سلسلے میں ہم سب کی غفلتوں کو اللہ تعالیٰ دور فرماوے۔

جھوٹ ایک بہت بڑا گناہ

کچھ گناہ صغائر کہلاتے ہیں (چھوٹے چھوٹے گناہ) اور کچھ گناہ کبائر کہلاتے ہیں (بڑے بڑے گناہ)۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی گناہ ہے۔ لیکن باہمی گناہوں کے تقابل کے اعتبار سے شریعت نے بعض کو کبائر اور بعض کو صغائر، چھوٹے اور بڑے گناہ قرار دیا ہے۔ علماء نے قرآن پاک کی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بیان فرمایا ہے کہ صغائر بعض مرتبہ اعمال صالحہ کی وجہ سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں، مثلاً ایک آدمی نے وضو کیا، وضو کے فضائل کے اندر جو احادیث ہیں وہاں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا کہ فلاں عضو سے فلاں گناہ اور فلاں عضو سے فلاں گناہ، اور فلاں عضو سے فلاں گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت ساری احادیث کے اندر بہت سارے اعمال صالحہ کی وجہ سے گناہوں کا معاف ہونا آیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ صغائر ہیں۔ لیکن جہاں تک کبائر کا معاملہ ہے بڑے بڑے گناہوں کا تو وہاں فرمایا کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اور توبہ یہ کہ آدمی کو اپنے اس گناہ پر شرمندگی ہو اور فوراً وہ گناہ کو ترک کر دے اور آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کرے کہ پروردگار آئندہ ان شاء اللہ نہیں کروں گا اس طرح اللہ سے معافی مانگے اور کبائر میں سے ایک بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ لیکن جب کسی گناہ کی عادت ہوتی ہے تو آدمی اسکو گناہ ہی نہیں

سمجھتا۔ ہنسی مذاق میں بھی کتنے سارے گناہ جھوٹ بول کر سرزد ہوتے ہیں۔ امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذاق میں بھی جھوٹ بھولنے سے منع فرمایا[1]۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک خاتون نے اپنے بچے کو بلایا کہ آو میں تمہیں کچھ دوں گی۔ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ آ گیا تو کیا دو گی؟ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کھجور دوں گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا تو جھوٹ کا گناہ لکھ دیا جاتا[2] اور یہ گناہ جھوٹ کا اتنا عام ہو گیا ہے کہ جو ظاہری اعتبار سے دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی پرہیز نہیں کر پاتے عام لوگوں کا تو مسئلہ ہی نہیں اور جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ آدمی خود تو نہیں دیکھتا بلکہ کسی سے کوئی بات سن لی اور آگے بڑھا دی بغیر تحقیق کے، فرمایا اگر آدمی کی اور عادت جھوٹ بولنے کی تو نہ ہو لیکن اتنی عادت ہے کہ جو کچھ سنا بس آگے بات چلا دی۔ آدمی کے جھوٹا ہونا کے لئے اتنا کافی ہے۔ فرمایا: " كفى بِالمرْءِ كَذِبًا أَنْ يحدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ "[3] کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ جو کچھ سن لیا آگے بڑھا لیا اب وہ حقیقت ہے واقعہ ہے، اور کوئی تحقیق نہیں کی جو سن لیا آگے بڑھا لیا اور یہ تنہا ایک آدمی کا جھوٹ نہیں۔ بعض مرتبہ ایک آدمی سے کوئی جھوٹی خبر شروع ہو گئی، پھر آگے چلتے چلتے ہزاروں آدمی اس جھوٹ کے مرتکب ہو گئے۔ ابتداء میں جس نے جھوٹ کا آغاز کیا اور ضابطہ کے مطابق کسی گناہ کا

---

[1] ۔[عن معاوية بن حيدة القشيري:] ويلٌ للذي يُحَدِّثُ فيَكذِبُ ليُضحِكَ به القومَ، ويلٌ له، ويلٌ له..
أبو داود (ت ٢٧٥)، سنن أبي داود ٤٩٩٠ • أخرجه الترمذي (٢٣١٥)، والنسائي في »السنن الكبرى« (١١١٢٦)، وأحمد (٢٠٠٤٦). ١٨-[عن أبي هريرة:] كفى بالمرءِ كذبًا أن يحدِّثَ بكلِّ ما سمِع. ـ ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، تخريج مشكاة المصابيح ٣٨١/٤ • [حسن] • أخرجه مسلم في »مقدمة الصحيح« (٥)، وأبو داود (٤٩٩٢)، وابن حبان (٣٠).

[2] ۔دعتْني أُمي يومًا ورسولُ اللهِ صلى اللهُ عليه وسلم قاعدٌ في بيتِنا فقالتْ: ها تعالَ أُعطيكَ فقال لها رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ وما أردتِ أنْ تعطيهِ؟ قالتْ: أُعطيهِ تمرًا، فقال لها رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ: أما إنكِ لو لمْ تُعطيهِ شيئًا كُتبتْ عليكِ كَذِبةٌ الراوي: عبدالله بن عامر بن ربيعة | صحيح أبي داود | الصفحة أو الرقم: 4991|

[3] ۔وعنْ أَبي هُرَيْرة أَنَّ النبيَّ ﷺ قَالَ: كَفَى بِالمَرءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سمِعَ رواه مسلم.

آغاز کرنے والا اپنے اس گناہ کے آغاز کا گناہ تو اس کو ہے ہی پھر جتنے لوگ اس گناہ کی وجہ سے گناہگار ہونگے اس آغاز کرنے والے کو سب کے برابر گناہ ہوگا اور یہ عادت اب عام ہوگئی ہے، اسی لئے قرآن مقدس میں بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿الحجرات:٦﴾

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لے کر آئے فَتَبَيَّنُوا تو تحقیق کرلیا کرو کہ اس میں حقیقت کچھ ہے بھی یا نہیں؟ اکثر و بیشتر دیکھا جاتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی معاملہ رسہ کشی کا ہو یا اور چیزوں کا ہر ایک نے اپنی طرف سے بات پہنچائی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات پہچانے والا غلط انداز سے (قصداً اس کے اندر کوئی احتیاط ہوتی نہیں) قصداً جھوٹ بولتا ہے قصداً بات میں بات ملاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس نے قصداً نہیں کیا لیکن جس انداز سے کہنے والے نے بات کی تھی اور جس انداز سے کرنے والے نے کام کیا تھا اس چیز کو بیان کرنے والا اس انداز سے بیان نہیں کرسکا۔ اس کے الگ انداز بیان کی وجہ سے سننے والے نے کچھ اور مطلب نکالا، اور آپسی رسہ کشی پیدا ہوگئی مگر کن حالات میں کس مجبوری میں وہ بات کہی تھی یا وہ کام کیا تھا انکو بیان نہیں کیا گیا۔

تو بہر حال جتنے کبائر ہیں ان میں سے ایک بہت بڑا کبیرہ گناہ جو ہے وہ جھوٹ بولنا ہے۔ قرآن پاک میں جن گناہوں پر لعنت فرمائی ہے ان میں سے فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿آل عمران ٦١﴾ جا اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں، بہت بڑی بددعا ہے اللہ کی رحمت سے محرومی، جو اللہ کی رحمت سے محروم ہوگیا اس کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔

اسی لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کرنے سے منع فرمایا

ہے[1] اور خواتین کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اس لئے کہ میں نے تم کو جہنم میں زیادہ دیکھا ہے[2]۔ عرض کیا کیوں فرمایا:

"تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتكفُرْنَ الْعَشِيرَ[3]" کہ تمہارے جہنم میں جانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تمہاری زبانوں پر لعنت کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔

تو جھوٹ بولنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ آدمی اپنے دن بھر کے معاملات کو دیکھ لیا کرے کہ کہیں میری زبان سے جھوٹ تو نہیں نکلتا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ اس کو جھوٹوں میں لکھا جاتا ہے اور سچ بولتا رہتا ہے سچ بولتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو سچوں میں لکھا جاتا ہے[4]۔ اسی لئے آدمی کو اپنی زبان کو بہت قابو میں رکھنا چاہیئے بلا تحقیق کے بات کا کہنا شریعت کی نظروں میں گناہ ہے اور یہ گناہ بعض مرتبہ بہت خراب نتائج کا سبب بن جاتا ہے۔ جھوٹ بہت بڑا گناہ، بہتان تراشی بہت بڑا گناہ اور حدیث میں آتا ہے کہ امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا: "أَتَدْرُونَ مَنِ المفْلِسُ؟[5]"

---

[1]۔ وعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قالَ: قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "لاَ تَلاعنُوا بلعنةِ اللهِ، ولاَ بِغضبِهِ، ولاَ بِالنَّارِ رواه أبو داود، والترمذی وقالا: حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وعن ابن مسعودٍ قالَ: قالَ رسُولُ اللهِ ﷺ: لَيس المؤمِنُ بِالطَّعَّانِ، ولاَ اللَّعَّانِ ولاَ الفاحِشِ، ولاَ البذِيِّ رواه الترمذی وقالَ: حديثٌ حسنٌ.

[3]۔ [عن عبد الله بن مسعود:] تصدَّقْنَ يا معشرَ النساءِ ولو من حُلِيِّكُنَّ فإنكُنَّ أكثرُ أهلِ النارِ فقامت امرأةٌ ليست من عليةِ النساءِ فقالت: لم يا رسولَ اللهِ قال: لأنكُنَّ تُكثرنَ اللعنَ وتكفرنَ العشيرَ.

أحمد شاكر (ت ١٣٧٧)، مسند أحمد ٥/١٩٦ • إسناده صحيح • أخرجه أحمد (٣٥٦٩) واللفظ له، والنسائي في »السنن الكبرى« (٩٢٥٧).

[4]۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ◻ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، ومَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ ويَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وإِيَّاكُمْ والْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، ومَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ ويَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[5]۔ عن أبي هريرة:] هل تدرون مَن المُفلِسُ؟ قالوا: المُفلِسُ فينا، يا رسولَ اللهِ، مَن لا دِرهَمَ له ولا مَتاعَ. قال: إنّ المُفلِسَ مِن أُمَّتي مَن يأتي يومَ القِيامَةِ بِصِيامٍ وصَلاةٍ وزَكاةٍ، ويأتي قد شتَمَ عِرْضَ هذا، وقذَفَ هذا، وأكَلَ مالَ هذا، فيُقعَدُ، فيَقُصُّ هذا مِن حَسَناتِه، وهذا مِن حَسَناتِه، فإنْ فنِيَت حَسَناتُه قبلَ أنْ يَقضِيَ ما عليه مِن الخَطايا، أخَذَ مِن خَطاياهم فطُرِحَت عليه، ثم طُرِحَ في النّارِ.. شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٨٠٢٩ • إسناده صحيح على شرط مسلم • أخرجه مسلم (٢٥٨١)، والترمذي (٢٤١٨)، وأحمد (٨٠٢٩)

کیا تمہیں پتہ ہے کہ مفلس کون ہے؟ عرض کیا جس کے پاس مال و دولت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جس کے پاس مختلف قسم کی نیکیاں ہیں لیکن کسی کی غیبت کی، کسی کا مال چھینا کسی پر بہتان باندھا وغیرہ وغیرہ اب کل میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کا دربار لگا اس کی ساری کمائی دوسروں کے کام آگئی۔ جن کی غیبتیں کی جن پر بہتان باندھا تھا ان کو نیکیاں ملی یہ بے چارہ خالی ہاتھ رہ گیا۔

سردیوں کے موسم میں وضو کرتا تھا۔ نماز، تلاوت، روزہ، ذکر، دعاء صدقہ، خیرات یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بے چارہ کو کچھ کام نہیں آیا۔

اس لئے ہر مومن بندے کو اپنی فکر کرنی چاہئے دوسروں کے معاملات میں پڑنے کی ہر کس و ناکس کو ضرورت ہی کیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ﴿المائدة:١٠٥﴾

اپنی اپنی فکر کرو بعض مرتبہ آدمی بڑی بڑی برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جھوٹ بولنا کوئی چھوٹا جرم ہے؟ غیبت کرنا کوئی چھوٹا جرم ہے؟ بہتان تراشی کوئی چھوٹا جرم ہے؟ اپنے جرائم تو آدمی کو نظر آتے نہیں اور دوسرے کے اندر ذرا سی کوئی خامی ہو اس کو آدمی غلط انداز میں پیش کر کے اپنے آپ کو مفتی بنانے کے درپے لگا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی غفلتوں کو دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ، غیبت اور بہتان تراشی اور جتنے بھی کبائر ہیں اور جتنے بھی صغائر ہیں سارے ہی گناہوں سے اللہ تعالیٰ بچنا ہمارے لئے آسان فرمائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز تلاوت اور دوسرے اعمال خیر کی توفیق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے ہر طرح کے چھوٹے بڑے اور ظاہری باطنی گناہوں سے بچنے کی۔ آمین۔

ذکر و فکر

اس دنیا میں ہم بہت ساری چیزوں کو دیکھتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر ہمارا دیکھنا اس طرح ہوتا ہے کہ ظاہری آنکھوں سے تو دیکھتے ہیں لیکن دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے حالانکہ اصل دیکھنا دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ قرآنِ مقدس میں جگہ جگہ اس کا حکم بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَلۡيَنظُرِ الۡإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿الطارق: ۵﴾ آدمی کو چاہئے کہ دیکھے کہ کس سے پیدا کیا گیا؟ ظاہر بات ہے کہ یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں، بلکہ یہاں دل سے دیکھنا اور غور و فکر کرنا مراد ہے۔

قُتِلَ الۡإِنسَانُ مَا أَكۡفَرَهُ ﴿عبس: ۱۷﴾ انسان تباہ و برباد ہو، ہلاک ہو، مَا أَكۡفَرَهُ کس قدر ناشکرا ہے۔ مِنۡ أَيِّ شَيۡءٍ خَلَقَهُ ﴿۱۸﴾ غور نہیں کرتا کہ کس چیز سے اللہ نے اس کو پیدا کیا مِن نُّطۡفَةٍ ایک ناپاک گندے قطرے سے پیدا کیا۔ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ پیدا کیا اور ایک مخصوص اور بہترین انداز سے پیدا کیا، اس کے بعد آگے ارشاد فرمایا۔ فَلۡيَنظُرِ الۡإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ آدمی کو چاہئے کہ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھے، یہاں دیکھنے سے مراد آنکھ کا دیکھا نہیں بلکہ غور و فکر کرنا ہے۔ أَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَاءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ بارش کو ہم نے برسا دیا۔ آدمی بارش کے ایک ایک قطرے پر غور کرے۔ کس قدر اللہ تعالیٰ بارش کو اس انداز سے

برسا رہے ہیں انسانوں کی ضرورت کے مطابق اور اللہ پاک نے جگہ جگہ، جگہ جگہ دیکھنے کا حکم دیا ہے وہ اس آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ،صرف آنکھ سے دیکھے گا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ حاصل جب ہوگا جب بندہ ظاہری آنکھ کے ساتھ ساتھ باطنی آنکھ سے دیکھے، باطنی آنکھ سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر غور وفکر کرے۔ ہم میں سے ہر ایک سوچے کہ کس قدر اور آج تک میں نے اپنی تخلیق کے بارے میں، اپنی پیدائش کے بارے میں غور کیا ہے کہ اللہ نے مجھے کس چیز سے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے میری ضروریات کو کس کس انداز سے میرے لئے مہیا رکھا ہے، اللہ نے جو کچھ ہمارے لئے ہر وقت مہیا کر رکھا ہے اگر ایک منٹ کے لئے بھی بند ہو جائے تو ہمارا جینا ہی ناممکن ہے، اللہ نے ہمارے لئے ہوا کو، اور ہماری سانس کے سسٹم اور نظام کو جاری کر رکھا ہے اور اس انداز سے جاری رکھا کہ کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ میں اکثر گزارش کیا کرتا ہوں کہ اگر یہ سانس کا لینا انسان کو اپنے اختیار سے ہوتا اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا تو آدمی کو اسی سے فرصت نہ ہوتی کہ ہر وقت سانس کے لینے اور سانس کو باہر چھوڑنے میں لگا رہتا اور کسی کام کا رہتا نہیں۔

رب کائنات نے سانس کا سسٹم اور نظام اس انداز سے جاری رکھا کہ باوجود یہ کہ سب سے زیادہ محتاج انسان دنیا کی نعمتوں میں سے سانس لینے کا ہے۔ اس کے بغیر تو ایک منٹ جینا بھی مشکل ہے اور یہ سانس کا نظام اللہ پاک نے اپنے اختیار میں لے رکھا ہے کہ بندے کو کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ اگر سانس کا نظام اس کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کے لئے اس کو استعمال کرنے کے لئے بندے کو اپنا اختیار استعمال کرنا پڑتا وہ سو ہی نہیں سکتا تھا۔ جہاں نیند آئی سانس بند ہو گیا ایک لمحے کے لئے بندہ سو

نہیں سکتا تھا۔ایک لمحے کے لئے بول نہیں سکتا تھا، ایک لمحے کے لئے کھا نہیں سکتا تھا۔کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سانس کا نظام بندے کے لئے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کس قدر عظیم نعمتیں کھانے کے لئے پینے کے لئے پہننے کے لئے رہنے کے لئے اور انسان کی مختلف ضروریات کے لئے ہر وقت رب کائنات نے مہیا کر رکھی ہیں۔بس بندہ کھانے پینے میں تو لگا ہوا ہے ان چیزوں کے استعمال کرنے میں تو لگا ہوا ہے لیکن ان چیزوں کے اندر غور وفکر نہیں کرتا۔

اس سارے نظام کو اپنے ظاہری جسم کے استعمال کے لئے اور اپنے ظاہری جسم کے بڑھاوے کے لئے استعمال کرتا ہے لیکن ان چیزوں کے ذریعہ سے مومن بندے کی روح بیدار رہے، اس کے قلب کو غذا ملے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا عرفان، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اسکے لئے استعمال ہی نہیں کرتا، حالانکہ یہ چیزیں اس کے استعمال کے لئے تھیں۔قرآن نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿الرعد: ١٩﴾ نصیحت سمجھ والے حاصل کرتے ہیں۔سمجھ والے کون ہے؟ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿آل عمران: ١٩١﴾

جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے، ہر حال میں اور ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ "وَيَتَفَكَّرُونَ "غور وفکر کرتے ہیں کہ جب عرفان کو استعمال کرلیا دماغ کو استعمال کرلیا اسی طرح قلب اور روح کو استعمال کرلیا۔

یاد رکھیں اللہ پاک نے فکر سے پہلے ذکر کے لفظ کو استعمال فرمایا کہ عقل والوں

کے لئے دو چیزیں ہیں، ایک فکر اور ایک ذکر اور ذکر کو اللہ تعالیٰ پہلے لائے اس لئے کہ جب تک ذکر نہیں ہوگا فکر نصیب نہیں ہوگا، گاڑی آگے چلے گی ہی نہیں۔

اس لئے جو یہ چاہے کہ میرے فکر کی گاڑی آگے چلے اور فکر کے ذریعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو، اللہ کی عظمت کو، اللہ کی کبریائی کو، اللہ کی معرفت کو اور ان کے اسباب کو حاصل کرلوں اس کو فکر سے پہلے ذکر کے غذا کی ضرورت ہے بغیر ذکر کی غذا کے فکر کی نعمت نہیں ملا کرتی ۔اسی لئے جن لوگوں نے ذکر کے بغیر فکر شروع کیا انہوں نے ہوائی جہاز تو بنالیا، انہوں نے بہت سی نئ نئ ایجادات تو حاصل کرلیں، ظاہر بات ہے کہ یہ ساری چیزیں فکر کے ذریعہ وجود میں آئی لیکن چونکہ ان کے اس فکر کے اندر ذکر شامل نہیں تھا ذکر سے محروم تھے، اس لئے مادی چیزوں کو تو حاصل کرلیا اور مادی منافع تو حاصل ہوگئے لیکن ایمانی اور قلبی منافع حاصل کرنے سے دور رہ گئے اسلئے کہ ان کا فکر ذکر کے بغیر تھا۔

اس لئے ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ فکر بھی کرے اور ذکر بھی کرے اور ذکر کے معاملہ کو مقدم کرے بغیر ذکر کے فکر نصیب نہیں ہوگا۔

قرآن مقدس جس کے بغیر ہمیں کوئی چارہ ہی نہیں اس کے اندر فکر نصیب نہیں ہوتا جب تک کہ مومن بندے کو ذکر کی نعمت نصیب نہ ہو۔ محض گرامر پڑھنے محض نحو پڑھنے محض صرف پڑھنے، محض کتابوں کے مطالعہ کرنے سے محض تفسیر پڑھنے سے قرآن کے حقائق کھل جائیں، قرآن کے معانی کھل جائیں، قرآن کے اندر غور وفکر نصیب ہوجائے ایسا نہیں ہوگا فائدہ ضرور ہوگا لیکن قرآن کھلے گا نہیں قرآن جب کھلے گا جب قرآن کے لئے اس دل کو کھولو گے اور دل اللہ کے ذکر سے کھلے گا جب اللہ

تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کی یاد کی نورانیت دل کے اند پھیل جائے گی تو پھر اس کے بعد اس روشنی کے بقدر مومن بندے کے قلب پر قرآن کھلتا چلا جائے گا اور جب تک دل قرآن کے لئے نہیں کھلے گا قرآن بھی بندے کے لئے نہیں کھلے گا۔

اسی لئے بعض مرتبہ ایک بیچارہ بے پڑھا لکھا نہایت چٹا لیکن قرآن کھل گیا۔ ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ بالکل ان پڑھ تھے۔ قرآن کبھی نہیں پڑھا تھا۔ لیکن جب ان کے سامنے قرآن کو پڑھا جاتا، حدیث کو پڑھا جاتا، اشعار کو پڑھا جاتا تو اپنے دل کی روشنی سے بتایا کرتے تھے کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک جو تم نے پڑھا وہ قرآن تھا، اور فلاں فلاں چیز جو تم نے پڑھی وہ حدیث تھی اور فلاں سے فلاں جگہ جو آگے پڑھا وہ قرآن و حدیث نہیں تھا وہ دوسروں کا کلام تھا اور جب ان کو کہا جاتا تھا کہ آپ اس کو کیسے پہچانتے ہو۔ تو وہ فرماتے کہ قرآن کی نورانیت کا تو کچھ پوچھنا نہیں اور جب تم حدیث پڑھتے ہو وہاں بھی انوار نظر آتے ہیں لیکن وہ قرآن کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں اور جب آپ لوگوں کا کلام پڑھتے تو وہ ان انوارات سے خالی ہوتا ہے۔ تو اللہ پاک نے دیکھنے کا جو حکم دے دیا ہے وہاں ہمیں آنکھ کو بھی استعمال کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل کی آنکھ کو بھی استعمال کرنا ہے اور دل کی آنکھ کب استعمال ہوگی جب اس سے پہلے ذکر اللہ کی کثرت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ حضرات کو بھی ذکر و فکر کی عادت نصیب فرمائے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھ دار اور اولوا لباب قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری بھی غفلت کو دور کر دے آپ حضرات کی غفلت کو بھی دور کر دے۔ آمین۔

اپنی صلاحیتوں کو آخرت بنانے کے لئے استعمال کریں

دنیوی اعتبار سے اللہ پاک بندوں کے اندر مختلف صلاحیتیں پیدا فرماتے ہیں اور ہر بندہ اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اپنی دنیا بنانے کی کوشش اور فکر کرتا ہے، کسی کو اللہ پاک نے زیادہ مال دیا وہ تجارت کی لائن سے، کسی کو دنیاوی تعلیم دی وہ ملازمت کی لائن سے، کوئی تجربہ کار ہے تو اپنے تجربہ کی لائن سے، کسی کے پاس ظاہری اسباب ووسائل نہیں اللہ پاک نے اس کو جسمانی قوت دی ہے وہ بھی محنت مزدوری کر کے اپنی دنیا کا معاملہ حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح آخرت کا معاملہ ہے اللہ پاک نے اخروی اعتبار سے اپنے بندوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں ۔ کسی کو اللہ پاک نے علم کی صلاحیت دی، کسی کو مال کی صلاحیت دی کسی کو بولنے کی صلاحیت دی، کسی کو پڑھانے کی صلاحیت دی، کسی کو وعظ ونصیحت کی صلاحیت، کسی کو مالی اعتبار سے دینی خدمت کی صلاحیت دی، کسی کو بھی اللہ پاک نے محروم نہیں رکھا۔ کوئی بالکل بے چارہ خالی ہاتھ حتی کہ پہننے کو نہیں، کھانے کو نہیں، پینے کو نہیں۔ اسے بھی آخرت کمانے کا بھرپور معاملہ اس کے سامنے موجود ہے اور وہ اپنی آخرت کو بہتر سے بہتر بنا سکتا ہے۔ بلکہ ایک نادار آدمی اپنی آخرت کو بنانے میں مالدار سے زیادہ اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ ایک غریب آدمی کو اپنی آخرت بنانا مالدار کے مقابلے میں آسان ہے۔

اس لئے کہ جب آدمی کے پاس مال آتا ہے تو رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں، غریب کے سامنے یہ نہیں اور آخرت بنانے کا سب سے زیادہ اہم رول گناہوں سے بچنے کا ہے۔ یہ گناہوں سے بچنے کی صلاحیت اللہ پاک نے ہر ایک کو دی ہے۔

اللہ پاک نے آنکھیں دیں استعمال کے لئے دی بہت موقع ہے اللہ تعالی کے بندوں کو کہ اپنی آنکھوں کو آخرت بنانے میں استعمال کریں۔اب ان آنکھوں کو آخرت کے لئے استعمال کرنے کی دوصورتیں ہیں۔ایک تو اوامر کو بجالا کر، تلاوت کررہا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کی معرفت حاصل کررہا ہے اور دوسرے کام کررہا ہے مگر اس سے زیادہ اہم معاملہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اپنی آنکھوں کو بچا کر اپنی آخرت کو بنانا ہے ۔اور اس کا موقع بہت ہے۔اور اس زمانے میں تو حد سے زیادہ ہے۔ ہر ہر قدم پر بندے کے سامنے ایسا نازک معاملہ ہے کہ ان آنکھوں کے ذریعہ اپنی آخرت کو خدانہ خواستہ تباہ و برباد بھی کرسکتا ہے اور انہی آنکھوں کے ذریعہ اپنی آخرت کو بنا بھی سکتا ہے۔اور بنانے والے خوش نصیب بندے بہت بنا رہے ہیں۔لیکن جن کو خدانہ خواستہ آخرت تباہ کرنی ہوتی ہے قدم قدم پر ان کے لئے اپنی آخرت کو برباد کرنے کا موقع موجود ہے۔

زبان اللہ پاک نے دی ہے اس کے ذریعہ جیسے آدمی دنیا بناتا ہے اور دنیا کے بہت سارے کام آدمی زبان کے ذریعہ انجام دیتا ہے اسی طرح آخرت کے لئے مومن بندہ اس کو استعمال کرے اور بہت زیادہ عمل دخل ہے آخرت کے معاملہ میں زبان کا، بہت ہی زیادہ۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے، پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ بندہ بعض مرتبہ کوئی معمولی سی بات جس کو وہ زیادہ اہم نہیں سمجھتا اپنی زبان سے کوئی کلمہ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کی وجہ سے اس کو اونچے سے اونچے درجے سے نوازتا ہے۔اور کبھی اسکے برعکس معاملہ کرتا ہے، کوئی غلط بات زبان سے نکالی اور اس کو

زیادہ اہم بھی نہیں سمجھا تھا کہ اتنا بڑا گناہ ہوگا، لیکن اسی کی وجہ سے وہ جہنم رسید ہوگیا۔[1]

غرض یہ کہ اپنی آخرت کو بنانے کے لئے اللہ پاک نے ہم کو مختلف قسم کی صلاحیت دی ہے ہر مومن بندے کو چاہئے کہ اپنی ہر صلاحیت کو آخرت کے لئے استعمال کرے، مثلاً ایک آدمی ہے اس کے پاس جسم بھی ہے، جسمانی قوت اور مالی حیثیت بھی ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں آتا ہے (ابھی مفتی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا ابھی فجر میں)

کہ غرباء اور فقراء صحابہ حاضر خدمت ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ مالدار لوگ دنیا و آخرت کی ہر خیر لے گئے، ہر معاملے میں ہم سے سبقت لے گئے، جہاد کا موقع ہو تو اس وقت مال کا خرچ کرنا غریبوں کی مدد ہو تو اس وقت مال کا خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ یہ جسمانی عبادت میں بھی ہمارے ساتھ برابر شریک ہیں لیکن مالی اعتبار سے وہ ہم سے بہت آگے ہیں۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے انکو تسبیحات کے بارے میں ارشاد فرمایا[2]۔

تو ایک آدمی کو اللہ پاک نے مالی صلاحیت عطا فرمائی ہے اور جسمانی قوت اور صلاحیت بھی اور دوسرے بندے کے پاس مالی صلاحیت نہیں حالانکہ جذبہ ہے کہ جس

---

[1]۔ عن ابی ھریرۃ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: "إن العبد لیتکلم بالکلمۃ ما یتبین ما فیھا، یھوی بھا فی النار ابعد ما بین المشرق والمغرب". (بخاری حدیث نمبر 7482)

[2]۔ [عن أبی ذر الغفاری:] قیلَ: یا رسولَ اللہِ، ذھَبَ أھلُ الدُّثورِ بالأُجورِ، یُصلُّونَ کما نُصلِّی، ویَصومونَ کما نَصومُ، ویَتصدَّقونَ بفُضولِ أموالِھم، فقال: أولیس قد جعَلَ اللہُ لکم ما تَصدَّقونَ، إنّ بکلِّ تَسبیحۃٍ صَدَقۃً، وبکلِّ تَکبیرۃٍ صَدَقۃً، وبکلِّ تَھلیلۃٍ صَدَقۃً، وبکلِّ تَحمیدۃٍ صَدَقۃً، وأمْرٌ بالمَعروفِ صَدَقۃٌ، ونَھْیٌ عنِ المُنکَرِ صَدَقۃٌ، وفی بُضْعِ أحَدِکم صَدَقۃٌ، قالوا: یا رسولَ اللہِ، یَأْتی أحَدُنا شَھوتَہ ویکونُ لہ فیھا أجْرٌ؟ فقال: أرَأیْتم لو وضَعَھا فی الحَرامِ ألیس یکونُ علیہ وِزرٌ، أوِ الوِزرُ؟ قالوا: بَلی، قال: فکذلک إذا وضَعَھا فی الحَلالِ، یکونُ لہ الأجْرُ..

شعیب الأرنؤوط (ت ۱۴۳۸)، تخریج المسند ۲۱۴۸۲ • صحیح • أخرجہ مسلم (۱۰۰۶)، وأحمد (۲۱۴۸۲).

طرح فلاں بندے کو اللہ پاک نے مالی صلاحیت دی ہے اور وہ اس کے ذریعہ سے بھی اپنی آخرت کو بنا رہا ہے اللہ مجھے بھی دے تو میں بھی ایسا کرتا۔ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے ان کا جب انتقال ہوگیا تو انتقال کے بعد کسی اللہ کے بندے نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ ہوا کہا اللہ پاک نے میرے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ فرمایا لیکن میرا فلاں پڑوسی جو مزدور قسم کا آدمی ہے وہ مجھ سے بہت آگے بڑھ گیا بعد میں جب معلوم ہوا تو تحقیق کرنے کے بعد پتہ چلا وہ غریب آدمی دن بھر محنت کر کے کما کر لاتا اور اپنے اہل وعیال کو کھلاتا اور فرائض، واجبات اور سنت پر اکتفا کرتا تو روز اللہ سے دعا کرتا کہ پروردگار جس طرح آپ نے فلاں اپنے بندے کو مالی اعتبار سے بالکل فراغت دی ہے وہ اطمینان کے ساتھ دن اور رات کے اوقات میں آپ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور مجھے دن بھر اپنے اہل وعیال کے لئے مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اتنی عبادت میں نہیں کر پاتا کاش کہ آپ مجھے بھی ایسا موقعہ عطا فرماتے میں بھی صدقات خیرات اور دوسری عبارت کرنے کے ساتھ ساتھ خود اپنے کو آپ کی بندگی کے لئے فارغ کر لیتا۔تو اللہ پاک نے اس کو مجھ سے آگے بڑھا دیا۔اس کی جو نیت تھی اس نیت کی وجہ سے اللہ پاک نے وہ سب کچھ اس کو دے دیا جو میں مال کے ذریعہ کیا کرتا تھا۔تو غرض یہ کہ ہر مومن بندے کو بہت زیادہ بہتر سے بہتر صلاحیتیں دی ہیں اپنی آخرت کو بنانے کے لئے اور ہر بندے کے پاس جس طرح کی بھی صلاحیت ہو مالی صلاحیت ہو، علمی صلاحیت ہو، وعظ ونصیحت کی صلاحیت ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت ہو، جس انداز کی صلاحیت اللہ پاک نے عطا کی ہے اپنی صلاحیت کو ہم اپنی آخرت بنانے کے لئے استعمال کریں۔

اللہ پاک مجھے بھی نصیب فرمائیں آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائیں۔آمین۔

ہونے اور نہ ہونے کا احساس

ایک ہے کسی چیز کے نہ ہونے کا احساس اور ایک ہے کسی چیز کے ہونے کا احساس۔ نہ ہونے کا احساس ہم کو بہت رہتا ہے، کپڑے کے اندر لباس کے اعتبار سے کوئی کمی ہو تو اس کا احساس مکان کے اعتبار سے کمی ہو تو اس کا احساس، سواری کے اعتبار سے کمی ہو تو اس کا احساس، تو بہت ساری ایسی چیزیں جن کے نہ ہونے کا احساس تو ہوتا ہے لیکن جو چیزیں ہیں ان کے ہونے کا احساس یہ بہت کم ہوتا ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے جو چیزیں ہمارے پاس ہیں ان کے ہونے کا احساس رہے، جب ہونے کا احساس ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا اور جب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا تو پھر نہ ہونے کا معاملہ جو ہے اللہ تعالیٰ اسکو بھی پورا کرے گا۔

ہر بندے کے پاس بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کے ہونے کا احساس اپنے اندر بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً صحت کے ہونے کا احساس عظیم نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آنکھوں کے ہونے کا احساس، زبان کے ہونے کا احساس، کان کے ہونے کا احساس، ہاتھ پیروں کے ہونے کا احساس، دل و دماغ کے ہونے کا احساس، جسم کے اندر عافیت ہونے کا احساس جس قدر اللہ

تعالیٰ نے لباس دیا اس کے ہونے کا احساس، مکان دیا ہے اس کے ہونے کا احساس، سواری دی ہے اس کے ہونے کا احساس، جتنی بھی آمدنی دی ہے اسکے ہونے کا احساس۔ اللہ پاک اپنے فضل سے کھانے کو دے رہا ہے، پینے کو دے رہا ہے، رہنے کو دے رہا ہے، سونے کو دے رہا ہے اس کا احساس، سونا جو ملتا ہے نا؟ آدمی راحت کی نیند سوتا ہے بہت بڑی نعمت ہے اس کے ہونے کا احساس۔ جب خدانخواستہ یہ نیند کسی کی چھن جاتی ہے اور یہ سکون والا آرام اب اس کو احساس ہوتا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ جب یہ چیزیں موجود ہوں تو پھر اس کا احساس رہے شکر ادا کرے۔ سب سے عظیم نعمت جو اللہ پاک نے ہم سب کو عطا فرمائی وہ ہے اپنے مومن ہونے کا احساس۔

ہاں اگر نہ ہونے کا احساس بھی کرنا ہے تو پھر دینی اعتبار سے ہمارے اندر جو کمیاں ہیں ان کا احساس رہے۔ مثلاً تلاوت کی پابندی نہ ہونے کا احساس، ذکر کی پابندی نہ ہونے کا احساس، تہجد کی پابندی نہ ہونے کا احساس، دعاؤں کے کماحقہ نہ کرنے کا احساس، غیبت سے نہ بچنے کا احساس وغیرہ وغیرہ۔

تو بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کے ہونے کے احساس کو اپنے اندر بیدار رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب ان کے احساس کو بیدار رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے گا تو اللہ کا وعدہ ہے کہ میں اضافہ کروں گا۔ اور اگر مومن بندہ زندگی کے آخری لمحے تک اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا احساس رکھے گا اور اللہ

تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے گا تو اللہ کا وعدہ ہے لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴿ابراهيم: ۷﴾ شکر کروگے تو زیادہ دوں گا۔

جب وہ زندگی کے آخری لمحے تک ہونے کے احساس کو زندہ رکھ کر شکر ادا کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ مرنے کے بعد اس شکر کے بدلے میں جو وعدہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائیں گے، یہاں اللہ نے آنکھیں دیں، ان کے ہونے کا احساس اور ان کے استعمال کا خیال رکھا تو ظاہر بات ہے کہ یہ آنکھیں تو آخر کار فانی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایسی آنکھیں دے گا جنت میں جو آنکھیں ہمیشہ قائم رہیں گی جن کی بینائی کبھی سلب نہ ہوگی۔ صحت کی نعمت دی اللہ پاک نے اس کے ہونے کا احساس رہا اس کی قدر کرتا رہا شکر گزاری کرتا رہا۔ اور حتی الامکان اس کے غلط استعمال سے اپنے آپ کو بچاتا رہا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت میں ایسی صحت عطا کریں گے کہ جس کو کبھی زوال نہ ہوگا۔

اور ایک ہے ہونے کا احساس اور ایک ہے نہ ہونے کا احساس۔ تو بے شمار نعمتیں اللہ پاک نے دیں۔ اس لئے اللہ پاک نے سورۂ الرحمٰن میں بار بار، بار بار، اپنے بندوں کو یہ کہہ کر مخاطب فرمایا: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔[1] ﴿الرحمن: ۱۳﴾ کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

اس لئے ہر بندہ غریب سے غریب تر ہو خدانخواستہ بیمار ہو، اپنے پاس اپنا ذاتی مکان نہ ہو اس کا تو اسے احساس ہے۔

لیکن اللہ نے اتنا تو دیا ہے کہ کرایہ پر رہ رہا ہے، ہے تو سہی، سڑک پر تو

رات نہیں گذار رہا ہے۔ کھانے کو مل رہا ہے، گرم پانی کا اللہ نے سردی میں انتظام کیا گرم کپڑوں کا اس کے ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿النحل: ۱۸﴾

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو نہیں گن پاؤ گے۔ بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں ہم استعمال کر رہے ہیں لیکن بے حس ہو کر استعمال کر رہے ہیں۔

ضرورت ہے احساس پیدا کرنے کی اللہ مجھے بھی آپ حضرات کو اور امت کے ہر فرد کو ان نعمتوں کے ہونے کا احساس دے دے جو بے شمار نعمتیں اللہ پاک نے دی ہیں۔ اور ناشکری سے اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

ایمان کا حصہ

ہمارے ایمان کا حصہ ہے اس بات کو تسلیم کرنا اور اس بات کو ماننا کہ اسلام کے جتنے قوانین ہیں قرآن مقدس کے جتنے احکام ہیں وہ سارے کے سارے سو فیصد مبنی برحق مبنی برانصاف اور مبنی برعدالت ہیں۔ کسی بھی حکم کے بارے میں دل کے اندر تردد کا پایا جانا اور کسی حکم کے سلسلے میں دل کے اندر ناگواری کا پایا جانا یہ بدترین علامت ہے۔ قرآن مقدس میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ قسم ہے تیرے پروردگار کی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿النساء: ۶۵﴾

وہ ایمان نہیں لائینگے حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ یہاں تک کہ آپ کو حکم تسلیم کریں فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ان تمام امور میں ان تمام معاملات جو ان کے مابین رونما ہوں۔ اور پھر صرف حکم ہی تسلیم نہ کریں ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ اور پھر دلوں میں آپ کے کئے ہوئے فیصلے کے سلسلے میں ذرا بھی تنگی محسوس نہ کریں۔ جو بھی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے، اس پر نہ دل کے اندر ناگواری

ہو، اور نہ عملی ناگواری ہو وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اسکو خوشی خوشی تسلیم کریں۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کے مقابلے میں اپنی عقل کو لگانا ماحول کو پیش کرنا اور دوسری چیزیں کو پیش کرنا ایمان کے لئے بڑی خطرناک علامت۔ ایمان کا حصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس معاملے میں جو حکم دیا اسکو سو فیصد مبنی برحق، مبنی برانصاف مبنی برعدالت مانا جائے۔ روز ہم کہتے ہیں پڑھتے ہیں اور پڑھنا چاہیئے۔ رَضيتُ بالله ربا[1]۔ اس میں زبانی جمع خرچ کافی نہیں۔ رَضيتُ بالله رَبا۔ میں اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوں خوش ہوں۔

اللہ کے رب ہونے کو تسلیم کرنے کے ساتھ اس پر خوش ہونا ہے کہ اسکو ہر طرح کا اختیار ہے، وہ علیم ہے، وہ حکیم ہے، وہ جب کوئی فیصلہ کرتا ہے وہ جب کوئی حکم دیتا ہے اس میں ہمارا فائدہ ہوتا ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادہ ہے، اس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ اور اللہ کا ہر حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ ہاں جن احکام کے لئے اللہ پاک نے جو شرائط لگائے ہیں وہ اپنی جگہ برحق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے سلسلے میں اپنے دل کے اندر تنگی کو محسوس کرنا اور ناگواری کو محسوس کرنا یہ ایمان کے لئے بہت خطرناک علامت ہے۔ اس لئے ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنے ایمان کا بار بار، بار بار محاسبہ کرے۔

بعض مرتبہ کسی فرد پر، کسی جماعت پر اعتراض کیا، یہ اعتراض فرد یا جماعت پر ہوتا ہے، لیکن بعض مرتبہ وہ بہت آگے چلتا ہے، خدانخواستہ کہیں دین پر یہ اعتراض نہ

---

[1]۔[عن أبي سعيد الخدري:] من قال رضيتُ بالله ربًا وبالإسلام دينًا وبمحمدٍ رسولًا وجبت له الجنَّةُ.

أبو داود (ت ٢٧٥)، سنن أبي داود ١٥٢٩.

بنے اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض نہ بنے۔ اس لئے اپنے ایمان کی ہم سب کو خیر منانا چاہئے۔ ہمارا معاملہ ہے ہی سر تسلیم خم رکھنا اللہ تعالی کے حکم کے سامنے۔

ایک آدمی عملی اعتبار سے غلطی کرتا ہے عملی کوتاہی ہے۔ گناہ گار ہے لیکن بہر حال ایمان والا ہے، اور ایک اعتراض کا معاملہ اللہ کے کسی حکم کے سلسلے میں یہ ایمان کے لئے خطرہ کی علامت ہے۔ ایک آدمی نماز نہیں پڑھتا العیاذ باللہ جرم ہے لیکن بہر حال ایمان سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

ایک آدمی اللہ کے کسی حکم کو توڑتا ہے لیکن اس میں چون و چرا نہیں کرتا۔ حکم کا توڑنا بہت بڑا جرم لیکن ایمان بہر حال ہے۔ لیکن اگر اس نے چون و چرا کیا چاہئے زبان سے ہو یا دل کے اندر ناگواری ہو یہ بہت بڑا زہر قاتل ہے ایمان کے لئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی ہر اعتبار سے حفاظت فرمائیے۔

امتحان گاہ

اس دنیا میں اللہ پاک نے ہم سب کو ایک عظیم امتحان کے لئے بھیجا ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿الملك: ٢﴾۔ تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔ مال کے اعتبار سے کون آگے ہے، صورت کے اعتبار سے کون اچھا ہے، منصب اور عہدے کے اعتبار سے کون آگے ہے۔ آمدنی کے اعتبار سے کون آگے ہیں اس کی اہمیت نہیں بلکہ اہمیت کس کی ہے أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا تم میں باعتبار عمل کے کون اچھا ہے۔ باعتبار نماز کے کون اچھا، باعتبار تلاوت کے کون اچھا، باعتبار ذکر کے کون اچھا، باعتبار اخلاق کے کون اچھا، باعتبار عادات کے کون اچھا، اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کون اچھا، اخلاص کے ساتھ پڑھانے کے اعتبار سے کون اچھا، اخلاص کے ساتھ پڑھنے کے اعتبار سے کون اچھا وغیرہ وغیرہ اور اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ فرشتوں کو لگا رکھا ہے۔ جو ہر ایک کی اچھائی اور ہر ایک کی برائی لکھنے کے لئے مامور ہیں اور ان کو کام بھی الگ الگ دئے ہیں کہ جس بندے کے ساتھ جن دو فرشتوں کو لگا دیا اسکو یہ کہہ دیا کہ تمہارا کام ہے اس کی اچھائیوں کو دیکھ کر لکھنا اور دوسرے کے ذمہ لگا یا کہ تمہارے ذمہ ہے ان کی

برائیوں کو دیکھ کر لکھنا، جب بھی کوئی برائی کرے تو لکھ لو جب بھی کوئی اچھائی کا ارادہ کرے تو لکھ لو چنانچہ وہ دونوں فرشتے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن آدمی غفلت کے ساتھ جس طرح اس کا جی چاہتا ہے زندگی گذارتا ہے حالانکہ جانتا ہے ایمان ہے کہ فرشتہ لکھتا جارہا ہے میری آنکھوں کی غلطی کو، زبان کی غلطی کو، ذمہ داری نہ نبھانے کی غلطی کو وغیرہ وغیرہ سارے اعمال کو لکھ رہا ہے۔ لیکن غفلت میں آدمی پڑا ہوا۔

ایمان تو یہ ہے کہ آدمی دیکھے نہیں پھر بھی مانے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿الملك: ١٢﴾ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ لھم مغفرہ ان کے لئے کیا ہے؟ ایک تو ان کے لئے معافی ہے، مغفرت ہے، آدمی کتنا بھی اہتمام کرے اچھے اعمال کا، کتنا بھی کوشش کرے گناہوں سے بچنے کی بہر حال کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔

اللہ نے فرمایا: لَهُم مَّغْفِرَةٌ ان کے لئے مغفرت وَأَجْرٌ كَبِيرٌ اور بہت بڑا اجر ہے۔ جس اجر کا آدمی اندازہ نہیں کر سکتا۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے: اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر [1] میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے تیار کر رکھا ہے وہ جو کچھ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا وہ جو کچھ کسی کان نے نہیں سنا، وہ جس کا کسی دل کے اندر وسوسہ، خیال و

---

[1] ۔[عن أبي هريرة:] يقولُ اللهُ ﷻ أعددتُ لعبادي الصالحين ما لا عينٌ رأتْ ولا أذنٌ سمعتْ ولا خطرَ على قلبِ بشرٍ. الألباني (ت ١٤٢٠)، صحيح ابن ماجه ٣٥١٠ • صحيح • أخرجه البخاري (٣٢٤٤)، ومسلم (٢٨٢٤).

تصور تک نہیں ہے۔آدمی اس بات سے خوش ہو جاتا ہے کہ میں یہ جو کام کر رہا ہوں اس میں مجھے عنقریب بہت بڑی نعمت ملنے والی ہے بہت بڑا منصب ملنے والا ہے بہت برا عہدہ ملنے والا ہے ابھی ملا نہیں اور پتہ نہیں ملنے کا وعدہ ایک سال دو سال وہاں تک پہنچے گا بھی یا نہیں پہنچے گا بس اس ملنے کے تصور سے ہی آدمی خوش ہو جاتا ہے۔حالانکہ ملنا تو یقینی نہیں۔اس لئے کہ جس سے ملنے کی توقع ہے ممکن ہے وہ مر جائے یا یہ مر جائے ،لیکن پھر بھی خوش ہے۔اور یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ملنے والا ہے وہ یقینی ہے۔کیا ملے گا؟ فرمایا مغفرت ملے گی اور کیا ملے گا؟ اجر کبیر ملے گا، بہت بڑا اجر ملے گا۔

تو آدمی نماز کے دوران اور بقیہ اعمال صالحہ کے دوران یہ امید لگائے رکھے اور اس امید کے ساتھ اعمال کرے کہ ان شاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری مغفرت بھی کریں گے اور اجر کبیر بھی عطا کریں گے۔

بہر حال یہ دنیا جو ہے امتحان گاہ ہے، اس امتحان ہال کے اندر آدمی بہت محتاط رہے، بہت محتاط۔امتحان کے دوران پورا دھیان لکھنے میں اور کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس کی وجہ سے نمبر کٹ جاوے کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا۔کہ کہیں نگران کی نظر پڑ جائے اور وہ سمجھے کہ نقل کر رہا ہے ،دائیں بائیں دیکھتا ہی نہیں، جی چاہتا ہے کہ دیکھے، لیکن دیکھتا نہیں کہ کہیں نظر نہ پڑ جائے ،حالانکہ وہ جو بے چارہ نگران ہے وہ کب تک کسی پر نظر رکھے گا، دو سو تین سو طلباء ہیں ، پانچ چھ سات نگران ، ہر نگران کے ذمہ کم از کم چالیس پچاس طلباء تو آ ہی جائیں گئے اور وہ چھ سات نگران ایک وقت میں کتنوں پر نظر رکھ

سکتے ہیں۔لیکن پھر بھی ایک اثر رہتا ہے کہ شاید دیکھ رہا ہے آدمی کی ہمت نہیں ہوتی ہے دائیں بائیں دیکھنے کی اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ دو دو نگراں رکھے ہیں کہ دیکھو کیا کرتے ہیں؟ کیا دیکھتے ہیں، کیا سنتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تو جیسے وہاں آدمی امتحان گاہ میں محتاط رہتا ہے یہاں بھی محتاط رہے۔غلطی سے کوئی چیز لکھ لی فوراً اس کو صاف کر کے اس کی جگہ ٹھیک لکھ لے۔

یہاں بھی بندے سے اس دنیاوی امتحان میں کوئی غلطی ہو جائے فوراً توبہ کر کے اپنی اس غلطی کو ٹھیک کر دے جب مومن بندہ اپنے آپ کو امتحان گاہ کے دور سے گزرتا ہوا سمجھ کر زندگی گزارے تو ان شاء اللہ اس سے اچھے اثرات پڑینگے۔اور اگر غفلت کے ساتھ زندگی گزارے گا تو وہ بہت ہی خسارے میں اور بہت ہی گھاٹے کا سبب بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور پوری امت کو اسطرح کے خطرات سے بچائے اور یہ جو امتحان گاہ ہے اللہ تعالیٰ اس طرح ہمیں زندگی گزارنا نصیب فرمائے جس طرح زندگی گزارنے سے اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں۔آمین۔

سردیوں کی لمبی راتوں میں

سویرے اُٹھنے کی عادت بنائیں

کوئی آدمی دنیا کا کوئی کام کررہا ہو اور وقت متعین نہ ہو، تجارت کی لائن وغیرہ سے تو دن چھوٹا ہوتا ہے تو تھوڑا کام ہوتا ہے اور جن مہینوں میں دن بڑا ہوتا ہے اس کے کام میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ دن کے بڑے ہونے کو نہیں گنواتا اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ حالانکہ وہ دنیا جس کے لئے وہ کررہا ہے وہ اس کی ایک وقتی ضرورت ہے ،اس کے مقابلے میں ''آخرت'' وہ ہم سب کا اصلی مقصود ہے اور ہمیں صرف آخرت کو بنانے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے لیکن ہمارا معاملہ آخرت کے ساتھ اس طرح کا نہیں، مثلاً رات دن بدن بڑھتی جارہی، فجر کی طرف سے کافی وقت بڑھ چکا ہے اور رات کو بھی عشاء بہت پہلے ہوتی جارہی ہے، دو ڈھائی گھنٹے تقریباً بڑھ گئے ،لیکن ہمارے اعمال میں کوئی فرق نہیں، جیسے اس وقت جب بالکل چھوٹی رات تھی اور بعض کو مشکل سے نماز مل جاتی ہے، بعض کو رکعت چھوٹ جاتی ہے بعض کی جماعت ہی نکل جاتی ہے۔ اب دو ڈھائی گھنٹے ،تین گھنٹے کے اضافے کے باوجود بھی وہی حال ہے۔ آخر وہ ڈھائی، تین گھنٹے گئے کہاں؟ حساب لگائیں۔ ٹھیک ہے رات چھوٹی تھی نیند پوری نہیں ہو پاتی ، اب رات بڑھ گئی ایک ڈیڑھ گھنٹہ

زیادہ سوئے ،اس کے باوجود بھی وقت بچتا ہےلیکن پھر بھی وہی معاملہ جو گرمیوں کی رات کا ہے وہی سردیوں کی رات کا ہے،حالانکہ کہ فرمایا گیا کہ سردیوں کی رات کو غنیمت جانو کہ رات بڑی ہوتی ہے۔

رہا طلباء کا معاملہ تو اگرچہ وہ پڑھتے ہیں تاہم اگر وہ بھی اذانِ فجر سے دس منٹ پندرہ منٹ بیس منٹ پہلے عربی طلباء بھی اُٹھ جائیں چار رکعت پڑھ لیں اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔کیونکہ علم کے حاصل کرنے میں مانگنے کا بڑا دخل ہے۔بلکہ امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم کے بارے میں صرف مانگنے کا حکم دیا گیا اور کسی چیز کا نہیں۔دو چیزوں کا حکم دیا گیا ایک تو یہ کہ جب ہماری طرف سے آپ کو پڑھایا جائے تو بالکل خاموش رہیں اس فکر میں بھی نہ پڑ جائیں کہ پتہ نہیں جو کچھ پڑھایا جائے گا وہ یادرہے گا بھی یا نہیں اس سے آپ تو بے فکر ہو جائیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہیں ہمارا کام آپ کو پڑھوانا ہے اور ہمارا ہی کام یہ ہے کہ آپ اس کو یاد بھی رکھیں اور آپ کو یاد بھی رہے اور پھر ہمارا ہی کام آپ کو سمجھانا وغیرہ وغیرہ لیکن آپ بالکل خاموشی کے ساتھ سنتے رہیں اپنی مبارک زبان کو حرکت بھی نہ دیں۔(سورۃ القیامہ)

اور دوسرا جو حکم علم کے بارے میں آپ کو دیا گیا، وہ یہ کہ **قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا** (طٰہٰ:۱۱۴) ہماری بارگاہ میں علم کے اضافہ کی درخواست کریں، ہم سے زیادہ سے زیادہ علم مانگیں، باقی کوئی کام پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کے لئے کسی چیز کا مکلف نہیں بنایا گیا کیونکہ پیغمبر کا علم وھبی ہوتا ہے،ایک ہی چیز کا مکلف بنایا ،وہ کیا ہے؟ مانگنے کا۔

اب طلباء نے مانگنا چھوڑ دیا ،اگر مانگتے بھی ہیں تو دنیا کی بہت ساری ضرورتیں مانگتے ہیں اور جو مانگنے کی اصل چیز ہے طلباء کے لئے وہ نہیں مانگتے حالانکہ

اصل چیز طلباء کے لئے مانگنے کی جو ہے وہ علم ہے۔علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ،ٹھیک ہے عربی طلباء دیر سے سوتے ہیں اگر رات کو آدھ گھنٹہ سویرے سو جائیں اور اذان سے پہلے آدھ گھنٹہ اٹھ جائیں دس منٹ نماز پڑھ لی پانچ سات منٹ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا مشغلہ بنا دیا تو کتنا اچھا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ رات کو سویرے سوتے اور صبح کے وقت سویرے اُٹھتے ،اللہ سے مانگا اور دعا کی اور مطالعہ میں لگ گئے۔اساتذہ کا تو بہر حال معاملہ ہی اور ہے۔ وہاں تو پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا گیا: يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ(١) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (٢) (مزمل) بعض مرتبہ شیطان دھوکہ دیتا ہے کہ دن بھر تھکے رہے فلاں فلاں کام کیا، اور وہ کیا یہ کیا۔ یہاں تو پیغمبر علیہ السلام کو خود فرمایا گیا۔راتوں کو اٹھنے کا حکم اسی لئے دیا جارہا ہے کہ دن کے اندر بہت ساری مشغولیات ہوتی ہیں۔اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (مزمل:۷) ظاہر ہے لمبی رات ہے، اس لئے سویرے اٹھنے کی عادت بنائیں جن کو عادت ہے وہ اس عادت کو قائم رکھیں اگر خدانخواستہ عادت نہیں بنی ہے سستی ہے تو اس سستی کو دور کردیں، بستی والے حضرات سب کو کم ازکم سردی کی رات میں اٹھنے کی عادت بنانی چاہئے۔اپنے گھروں کے اندر بھی، اپنے کمروں کے اندر بھی اس کی عادت ڈالیں۔ایک اٹھتا ہے دوسروں کو بھی ترغیب لگتی ہے، تیسرے کو بھی ترغیب ہوتی ہے۔

یہ غفلت بہت بڑی بیماری ہے۔اس غفلت کی بیماری سے بہت ساری بیماریاں پھیل جاتی ہیں، اس لئے غفلت کی بیماری کو چھوڑ دینا چاہئے اور مومن بندے کو ہمیشہ اپنی آخرت اپنے سامنے رکھنی چاہئے کہ کیا پتہ کہ اللہ پاک کی طرف سے کب بلاوا آجائے۔ یہ جو رات کی نمازیں ہیں آخرت میں کام آنے میں ان کا بہت بڑا دخل ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ جب ان کی وفات ہوگئی، وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا ان سے پوچھا گیا، کیا ہوا؟ آپ جو معارف اور مطالب اور نہ معلوم کیا کیا چیزیں اپنے دوستوں مریدوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا اس میں سے کوئی چیز کام نہیں آئی، ہاں رات کے اخیر حصہ میں جو دو رکعت پڑھا کرتا تھا وہ کام آئیں۔ اس لئے قرآن نے مومن بندوں کی جو صفات بیان کی ان میں یہ بھی ہے

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کہ ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں۔ الگ رہ کر ہوتا کیا ہے۔ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﴿السجدۃ:۱۶﴾ امید اور خوف کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ کوئی نہیں جانتا ان کے لئے آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپائی گئی ہے۔ کیوں؟ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿السجدۃ:۱۷﴾ بدلہ ہے جو وہ پہلے کیا کرتے تھے۔ اور کیا، کیا کرتے تھے؟ ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے تھے، اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت، اللہ تعالیٰ سے لو لگانی کی عادت، اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی عادت تھی۔

تو جتنی رات بڑی ہوتی جارہی ہے، ہماری غفلتوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے رات کے اٹھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہی رکعتوں کا نکلنا، جماعت کا نکلنا، تکبیر تحریمہ کا نکلنا یہ بدستور قائم ہے، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ڈھائی گھنٹے، تین گھنٹے رات کے اندر اضافہ ہوا اور ہمارا دیر سے اُٹھنا بدستور ہے یہ غفلت کی بات ہے۔ اللہ پاک میری غفلت کو بھی دور کردے آپ کی غفلت کو بھی دور کردے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر

انسان جس آدمی کو اپنے سے بڑا، اپنے سے بہتر، اپنے سے افضل سمجھتا ہے اس کے حکم کے بجالانے کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے اور اس کی نافرمانی کو بالکل برداشت نہیں کرتا۔ کسی کے حکم کو نہ ماننا اور اس کی نافرمانی کرنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل کے اندر اس کی عظمت اور اس کی بڑائی نہیں ہے، جس قدر کسی کا ادب ہو جس قدر کسی کی بڑائی دل میں ہو، جس قدر جس کا احترام دل میں ہو اسی قدر اس کے حکم کا بھی احترام ہوگا اور اسی قدر اس کی نافرمانی سے بچنے کا بھی اہتمام ہوگا۔

اس کائنات میں ہر طرح کی بڑائی ہر طرح کی بلندی صرف اور صرف خدائے وحدہ لاشریک کے لئے ہے ،اس کی کبریائی اس کی بڑائی ذاتی ہے، اس کی قدرت اس کا ارادہ ذاتی ہے وہ جو چاہے کرے کوئی اسے روکنے والا نہیں لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ ﴿الأنبياء: ٢٣﴾ اس کی شان ہے جو چاہے کرے کوئی پوچھنے والا نہیں اس لئے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو سمجھنا لازمی ہے۔ اسی لئے جہاں اللہ پاک نے ہمیں نمازوں کا حکم، روزوں کا حکم دیا، تلاوت کا حکم دیا، زکوٰۃ، صدقات، حج کا حکم دیا وہیں اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے، اپنی بڑائی، اور اپنی قدرت اور اپنے ارادہ کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو مختلف مقامات پر اپنی مخلوقات اور اپنی بڑائی کی چیزوں پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی۔

کہیں فرمایا: أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿الغاشیۃ: ۱۷﴾

کبھی إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿آل عمران: ۱۹۰﴾

اسی طرح کی بہت ساری آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی آیات اپنی نشانیوں اور اپنے مصنوعات، مخلوقات پر غور وفکر کرنے کا حکم دیا تا کہ ان مصنوعات ومخلوقات پر غور وفکر کے ذریعہ مومن بندہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی، عظمت وکبریائی اور اس کی قدرت کو سمجھ سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیات میں اپنے اوصاف کا اپنے مبارک ناموں کا ذکر اور اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا تا کہ میرے بندوں کو میری معرفت حاصل ہو جائے۔ جس قدر مومن بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی ہوگی اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے میں بہت زیادہ متوجہ ہوگا بہت زیادہ فکر مند ہوگا بہت زیادہ ہوشیار ہوگا اور پوری کوشش کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجالانے میں مجھ سے کوئی کم از کم اختیاری کمی نہ ہو اور فکر وکوشش کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا کوئی عمل نہ ہو۔

کبھی ماں باپ کی عظمت دل کے اندر ہوتی ہے، کسی خاص استاذ کی، اگرچہ ہر استاذ کا ادب واحترام ہونا چاہیے لیکن بعض مرتبہ کسی استاذ کا زیادہ ادب واحترام ہوتا ہے دل میں اب کوئی ایسی بات ہوگئی اور پتہ بھی نہیں کہ مجھ سے کوئی بے ادبی ہوگئی لیکن اس نے دیکھا کہ استاد کے رویہ میں ذرا سی تبدیلی آگئی اگرچہ استاد نے گفتگو نہیں چھوڑی استاد نے تعلقات منقطع نہیں کئے سب کچھ چل رہا ہے پڑھا بھی رہا ہے بات بھی کر رہا ہے لیکن چونکہ اس کو استاذ کے ساتھ خاص تعلق ہے وہ سمجھ رہا ہے کچھ نہ کچھ تبدیلی آگئی

اوراس تبدیلی کی وجہ سے وہ بڑا بے چین، بڑا بے قرار ہے، اس کو چین نہیں آتا، ایک دوسرے سے پوچھتا پھر رہا ہے کہ یار لگتا ہے کہ استاذ کسی وجہ سے کچھ ناراض ہے بات بھی کررہے ہیں پڑھا بھی رہے ہیں، سن بھی رہے ہیں، لیکن مجھے لگ رہا ہے میرا دل نہیں مانتا کہ استاد کا میرے ساتھ وہ معاملہ ہے جو دو ہفتہ پہلے یا ہفتہ پہلے تھا۔

اسی طرح ماں باپ کا معاملہ یا جس آدمی سے اصلاحی تعلق ہو اس کا معاملہ کہ پہلے جو رویہ اس کے ساتھ تھا وہ دیکھ رہا کہ تھوڑی سی اس میں تبدیلی ہوگئی کمی آرہی ہے اب وہ بے چارہ بے قرار ہوگیا بے چین ہوگیا حالانکہ اس کو معلوم نہیں کہ کیا ہوا اور نہ استاذ نے کہا، نہ مرشد نے نہ ماں باپ نے کہا کہ تم نے فلاں غلطی کی، لیکن ایک تعلق کی وجہ سے وہ محسوس کررہا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہوا ہے اور کچھ معلوم ہوئے بغیر ہی وہ بڑی منت سماجت کے ساتھ ماں باپ کے سامنے، استاذ کے سامنے اپنے بڑے کے سامنے بڑی لجاجت کے ساتھ معافی مانگ رہا ہے کہ مجھ سے کوئی بے ادبی ہوئی ہے میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کیا ہوئی ہے لیکن ہوئی ہے کچھ نہ کچھ، میں آپ کی اس ناراضگی کو برداشت نہیں کرپاتا آپ مجھے معاف کیجئے اور روتا ہے گڑگڑاتا ہے اب اس رونے اور اس گڑگڑانے کی وجہ سے استاد یا ماں باپ کا دل پگھلتا ہے اور وہ اپنے بچے کو اپنے شاگرد وغیرہ کو اپنے سینے سے لگا کر اب ان کا دل صاف ہوجاتا ہے۔ بعض مرتبہ اس کا جی خوش کرنے کے لئے اس کو کچھ دے بھی دیتا ہے۔

توجب بندہ کا اپنے خالق ومالک کے ساتھ تعلق مستحکم ہوجاتا ہے اللہ کی عظمت، اللہ کی کبریائی، اللہ کی بڑائی، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا استحضار اس کے دل کے اندر بیٹھ جاتا

ہے اور اپنے بندے ہونے کا استحضار ہوتا ہے، اب وہ کچھ محسوس کر لیتا ہے اور جو حدیث: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ[1] اس کو وہ کیفیت کے بغیر ڈھونڈے اس کو کچھ نظر آتا ہے دل کی آنکھوں سے اسے لگتا ہے کہ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ والا معاملہ میرے ساتھ چل رہا ہے، لیکن اب کچھ دن سے لگ رہا ہے کہ اس میں کچھ کمی آ رہی، پہلے تو بغیر دیکھے اپنے کو اس حدیث کا مصداق سمجھتا تھا اور اب اسے لگ رہا ہے کہ کوشش کے باوجود مصداق نہیں بن پاتا اور بے چین ہے، بے قرار ہے، روتا ہے اللہ کے سامنے گڑگڑاتا ہے سجدوں میں روتا ہے، توبہ کرتا ہے، استغفار کرتا ہے، اللہ سے معافی مانگتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں اللہ کا عظیم تعلق موجود ہے حالانکہ اس کو کوئی گناہ یاد نہیں رہا لیکن کچھ کمی محسوس کرتا ہے جس کو شاعرانہ انداز میں کہا گیا ہے:

بردل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ دل خلالے کم بود

دل باغ و بہار تھا کچھ کمی آ گئی اس میں وہ بے چین ہو رہا ہے وہ بے قرار ہو رہا ہے کہ

---

[1] ۔[عن عمر بن الخطاب:] بينما نحن عندَ رسولِ اللهِ ﷺ إذ طلعَ علينا رجلٌ شديدُ بياضِ الثيابِ، شديدُ سوادِ الشَّعَرِ، لا يُرى عليه أثرُ السَّفَرِ، ولا نعرفُه، حتى جلسَ إلى النبيِّ ﷺ فأسندَ ركبتيه إلى ركبتيه، ووضَعَ كفيه على فَخِذَيْه، وقال: يا محمدُ، أخبرني عن الإسلامِ؟ فقال رسولُ اللهِ ﷺ: الإسلامُ أن تَشْهَدَ أن لا إلهَ إلا اللهُ وأن محمدًا رسولُ الله، وتُقيمَ الصلاةَ، وتُؤْتِيَ الزكاةَ، وتَصومَ رمضانَ، وتَحُجَّ البيتَ إن استطعْتَ إليه سبيلًا. قال: صدقْتَ. قال: فعجِبْنا له يَسْأَلُه ويُصَدِّقُه. قال: فأخبِرْني عن الإيمانِ؟ قال: أن تُؤْمِنَ باللهِ، وملائكتِه، وكتبِه، ورسلِه، واليومِ الآخرِ، وتؤمنَ بالقدرِ خيرِه وشرِّه. قال: صدَقْتَ. قال: فأخبِرْني عن الإحسانِ؟ قال: أن تَعْبُدَ اللهَ كأنك تراه، فإن لم تَكُنْ تراه فإنه يراك. قال: فأخبِرْني عن الساعةِ؟ قال: ما المسؤولُ عنها بأعلمَ مِن السائلِ. قال: فأخبِرْني عن أماراتِها؟ قال: أن تلدَ الأمةُ ربتَها وأن ترى الحفاةَ العراةَ العالةَ رعاءَ الشاءِ، يتطاولون في البنيان. قال عمرُ: فلبثتُ ثلاثًا، ثم قال لي رسولُ اللهِ: يا عمرُ هل تدري من السائلُ قلتُ: اللهُ ورسولُه أعلمُ قال: فإنه جبريلُ أتاكم ليعلمَكم أمرَ دينِكم.

البخاري (ت ٢٥٦)، صحيح البخاري ٤٧٧٧ • [صحيح] • أخرجه مسلم (٨)، وأبو داود (٤٦٩٥) واللفظ له، والترمذي (٢٦١٠)، والنسائي (٤٩٩٠)، وابن ماجه (٦٣)، وأحمد (٣٦٧) • شرح رواية أخرى

کب یہ بے قراری دور ہو جائے کب اس کی تلافی ہو جائے، اس کو تب تک چین نہیں آتا۔

اور دوسرا معاملہ یہ کہ گناہ پہ گناہ ہوتے جا رہے ہیں، آنکھ کا گناہ، زبان کا گناہ، کان کا گناہ، معاملات کا گناہ، تجارت کا گناہ، نماز کے اندر غفلت و سستی کا گناہ، اپنے ذمہ داریوں کو نہ نبھانے کا گناہ اور بہت سارے گناہ اور بندہ ٹس سے مس نہیں ہوتا ہے یہ بہت زیادہ تعلق کے کمی کی علامت ہے۔ ورنہ مومن بندہ اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا بندہ اس سے کوتاہی ہو جائے اس سے غلطی ہو جائے وہ بے چین نہ ہو یہ کہاں مومن بندے کی شان ہے۔ ان کی شان بیان کی گئی۔

"إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ، وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ[1]" جب تمہاری نیکی تم کو خوش اور تمہاری غلطی کوتاہی تم کو بے چین کردے فانت مومن جبھی تو مومن ہو۔ ایک آدمی زہر کھا رہا ہے اور اسے پتہ ہے کہ میں زہر کھا رہا ہوں اور کوئی بے چینی نہیں کوئی بے قراری نہیں بے حسی کی علامت، تو ایسے ہی مومن بندہ جان بوجھ کر گناہ کا زہر کھالیا اور بے چین ہی نہ ہو یہ ایمانی اعتبار سے بے حس ہونے کی علامت ہے۔

تو بہر حال مومن بندہ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، اللہ کے ارادے کو، اللہ کی معرفت کو سمجھنا اور اس کے لئے کوشش کرنا یہ مومن بندے کی ذمہ داری ہے جب ہی مومن بندہ اللہ تعالیٰ کی صحیح بندگی کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائے۔ اللہ میری غفلت کو بھی دور کردے آپ حضرات کی غفلت کو بھی دور کردے۔

---

[1] ۔[عن أبي أمامة الباهلي:] أنّ رجلًا سأل النبيّ ﷺ، قال: ما الإيمانُ؟ قال: إذا سرَّتكَ حسنتُكَ وساءَتكَ سيئتُكَ فأنتَ مؤمنٌ، قال: يا رسولَ اللهِ فما الإثمُ؟ قال إذا حاكَ في نفسِكَ شيءٌ فدَعْه.

البوصيري (ت ٨٤٠)، إتحاف الخيرة المهرة ١/٨٤. أخرجه أحمد في »المسند« (٥/٢٥٢) واللفظ له، والطبراني في »الكبير« (٨/١٣٨)، والحاكم في »المستدرك« (٢/١٦).

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

علامہ اقبالؒ کا شعر ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اس کا ترجمہ تو بالکل ظاہر ہے کہ ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے اتنا ہی سب کچھ نہیں ہے اس کے آگے بھی بہت کچھ ہے، یہ تو اس کا ترجمہ ہے لیکن اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر معاملے میں، ایک تو وہ جو انسان کے بس میں ہے۔ مثلاً ہم تسبیحات پڑھتے ہیں ان تسبیحات کو دھیان سے پڑھنا ان کا ترجمہ یاد کرنا، ان کا وہ مطلب سمجھنا جو ہمارے اختیار میں ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے نحو صرف اور دوسرے علوم جو قرآن کے سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، ان کو سمجھنا اور پھر ان کی روشنی میں اپنے اساتذہ کی نگرانی میں قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا، اس کا مطلب سمجھنا، اس کی تفسیر سمجھنا، جو کہ انسان کے بس میں ہے لیکن اتنا ہی سب کچھ نہیں، یہاں بھی وہی سمجھو کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"۔ کیا مطلب؟ نحو صرف اور دوسرے بنیادی علوم کو پڑھ کر ہم قرآن کو جتنا سمجھ سکتے ہیں، اساتذہ کرام کے ذریعہ جتنا سمجھ سکتے ہیں، بڑی بڑی تفاسیر کا مطالعہ کر کے جتنا سمجھ سکتے ہیں، اتنا ہی سب کچھ نہیں، بلکہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" یہ ستارے ہیں، اساتذہ ستارے ہیں، کتابیں ستارے، نحو صرف

ستارے، ان تک سفر کرنا یہ بندے کے اختیار میں ہے۔ لیکن جب بندہ یہ سفر پورے آداب کے ساتھ طے کرتا ہے اپنی طالب علمانہ شان کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے تو پھر اس کو اس کے ظرف کے مطابق، اس کی طلب کے مطابق، اس کے لئے اور کھلتا جاتا ہے، کھلتا جاتا ہے اور یہ جو اختیاری ہے یہ محدود ہے۔

لیکن اس سے آگے "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" وہ ہے غیر محدود، اتنا غیر محدود، اتنا غیر محدود کہ اس کائنات میں سب سے زیادہ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کھلا اور انبیاء میں سب سے زیادہ امام الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ پر کھلا۔ لیکن اتنا کھلنے کے باوجود عرض کرتے ہیں سُبْحَانَكَ اے اللہ آپ پاک ہیں مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ آپ کی معرفت کا جو حق ہے وہاں تک ہماری رسائی نہیں، سُبْحَانَكَ مَا ذَكَرْنَاكَ حَقَّ ذِكْرِكَ۔ حضور ﷺ سے زیادہ اللہ کا کون ذکر کرسکتا ہے؟ لیکن پھر بھی فرماتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ مَا ذَكَرْنَاكَ حَقَّ ذِكْرِكَ۔ امام الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ نے تو اس مقام پر پہنچ کر بندگی فرمائی جہاں تک آپ کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی اور وہاں بندگی کا خلاصہ مختصر الفاظ میں پیش کیا کہ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ[1] ہر طرح کی زبانی عبادات، ہر طرح کی بدنی عبادات، ہر طرح کی مالی عبادات صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے اور بندگی کے

---

[1]۔ [عن عبد الله بن مسعود:] من القائلُ: السَّلامُ على اللهِ؟ إنّ اللهَ هوَ السَّلامُ، ولكِن قولوا: التَّحيّاتُ للهِ، والصَّلواتُ والطَّيباتُ، السَّلامُ عليكَ أيُّها النَّبيُّ ورحمةُ اللهِ وبركاتُه، والسَّلامُ علَينا وعلى عبادِ اللهِ الصّالحينَ، أشهدُ أن لا إلهَ إلّا اللهُ، وأشهَدُ أنّ محمَّدًا عَبدُه ورَسولُه قال: وقد كانوا يتعلَّمونَها كما يتعلَّمُ أحدُكم السُّورةَ من القُرآنِ. (رواه البخاري)

اس مقام پر معرفت کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ فرمایا ان لی مع اللہ لساعۃ میرے لئے اپنے رب کے ساتھ کچھ لمحات کچھ گھڑیاں ہیں جس میں نہ تو کسی ملک مقرب اور نہ ہی کسی نبی مقرب کی گنجائش ہے، لیکن وہاں پہنچنے کے باوجود اتنا کھلنے کے باوجود، اتنا بندگی کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے باجود کیا فرماتے ہیں کہ: سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ [1] حق تو یہ کہ آپ کی عبادت کا جو حق ہے وہ ادا نہیں ہوسکا۔

تو بہرحال جو کچھ بندے کے بس میں ہے بندہ اپنے بس کی محنت کرے اپنے بس کا جو کچھ اس کے بس میں ہے اس کو ٹھیک طریقہ سے نبھائے، پھر جہاں وہ بے بس ہوتا ہے تو اس کے آگے اللہ ہی بس ہوتا ہے اللہ کافی ہوتا ہے اللہ آگے کے دروازے کھولتے رہتے ہیں اور کھولتے جاتے ہیں اور وہ پوری زندگی آگے بڑھتا جاتا ہے بڑھتا جاتا ہے، بڑھتا جاتا ہے۔ بشرطیکہ کہ بندہ اپنے بس کے کاموں کو ٹھیک طریقہ سے انجام دے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ حضرات کو اور پوری امت کو اپنے بس والے کاموں کو اور اپنے بس والی عبادت و بندگی کو ٹھیک طریقہ سے انجام دینے کی توفیق دے اور پھر اللہ ہم سب پر وہ کچھ کھول دے جس کا کھولنا ہمارے بس میں نہیں۔

---

[1] ۔[عن جابر بن عبد اللہ:] ما فی السَّمواتِ السَّبعِ موضعُ قدمٍ ولا شبرٍ ولا كفٍّ إلّا وفيه مَلَكٌ قائمٌ أو مَلَكٌ ساجدٌ فإذا كان يومُ القيامةِ قالوا جميعًا سبحانَك ما عبدْناك حقَّ عبادتِك إلّا أنّا لم نُشرِكْ بك شيئًا. الهيثمی (ت ۸۰۷)، مجمع الزوائد ۱/۵۶ • فيه عروة بن مروان • أخرجه الطبرانی (۲/۱۸۴) (۱۷۵۱)، وأبو نعيم فی »معرفة الصحابة« (۱۴۰۳)

علم دین سب سے عظیم نعمت

ایک آدمی وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہیں، کھانے پینے کو نہیں، پہننے کو نہیں، رہنے کو نہیں، بہت ہی تنگی کا عالم ہے، وہ بے چارہ ادھر ادھر مانگ کر زندگی گزار رہا ہے، کھانے کی چیز مانگ کر، پینے کی بھی مانگ کر، پہننے کے کپڑے بھی مانگ کر وغیرہ وغیرہ، دوسرا وہ جس کے پاس بقدر ضرورت ہے یعنی اپنی ضرورت کے بقدر اسباب ہیں مانگنے کی ضرورت تو نہیں پڑتی عام طور پر لیکن اتنا بھی نہیں کہ دوسروں کو دے سکے اور تیسرا آدمی وہ ہے کہ جس کے پاس بہت ہے، خود بھی بڑی آسائش اور راحت کے ساتھ اس چیز کو استعمال کر سکتا ہے اور دوسروں کے درمیان بھی خوب بانٹ سکتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ جس کے پاس تھوڑی چیز ہے وہ خود بھی استعمال کر رہا ہے اور کچھ نہ کچھ دوسروں کو بھی دیتا ہے اور جس کے پاس بہت زیادہ دولت ہے بہت زیادہ مال ہے دوسروں کو کیا دیتا خود بھی نہیں کھاتا، بہت کچھ موجود ہے لیکن خود محروم ہے کھانے پینے سے ظاہر بات ہے کہ یہ کس قدر افسوس کے قابل ہے، تو جس طرح یہ دنیاوی معاملات میں ہے اسی طرح آدمی دینی اور علم کے معاملے میں بھی سوچے۔ بعضے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بالکل تہی دامن خالی ہاتھ، نہ عقائد کے بارے میں ان کے پاس کچھ علم، کلمہ تو پڑھا ہے باقی عقیدہ کیا ہے کیا نہیں بالکل محروم، قرآن پاک سے محروم، شرعی مسائل سے محروم، حلال و حرام کی پہچان تک سے محروم، تو جس طرح اپنے پاس نہ ہونے پر اگر کبھی

اسے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے تو مانگنا پڑتا ہے۔اسی طرح نماز کے بارے میں دوسروں سے معلوم کریں گے،تلاوت کے بارے میں، وضو کے بارے میں، روزوں کے بارے میں وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں۔

اب اگر وہ ویسے ہی محروم کے محروم ہی رہ گئے اور خود تو اپنے پاس ہے نہیں اور مانگ کر بھی نہیں لیتے یہ تو ان کا بہت بڑا جرم ہے، اس لئے ایسوں کو جو خود بقدر ضرورت علم نہیں رکھتے ان کو حکم ہے مانگو: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿الأنبياء: ۷﴾ کہ نہیں جانتے ہو تمہارے پاس ضرورت کے بقدر بھی نہیں ہے دین کا علم تو مانگو اور ان سے مانگو جن کے پاس ہے تو کچھ تو ایسے ہیں۔

اور کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس اتنا تو نہیں کہ وہ دوسروں میں بانٹ سکیں لیکن عمومی جو ضرورتیں ہیں مثلاً جیسے لباس وغیرہ اسی طرح جو عمومی ضرورتیں ہیں جو فرض عین کا درجہ رکھتا ہے وہ ان کے پاس ہیں وہ استعمال کر رہے ہیں نماز میں، تلاوت میں، روزوں میں صدقات میں وغیرہ وغیرہ اور ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس اتنا ہے کہ وہ خود بھی استعمال کر سکتے ہیں جتنا چاہیں اکثر و بیشتر انہیں کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں الحمدللہ ثم الحمدللہ بہت سارے حضرات اور یہ مجمع بھی ایسا ہی مجمع ہے کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے دیا ہوا علم دین اتنا ہے کہ خود جتنا چاہے خوب استعمال کر سکتے ہیں اور دوسروں کو دینے کے لئے بھی ہے لیکن سوچنا پڑے گا اور سوچنا چاہئے ہم سب کو باوجودیکہ ہمارے پاس اتنا ہے اتنا ہے کہ خود جتنا چاہیں استعمال کریں اور دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ آدمی جس کے پاس بقدر ضرورت ہے اور اگر اس کو زائد کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہم سے مانگ کر استعمال کر رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تو خوب استعمال

کر رہا ہے اور ہم سے لیکر استعمال کر رہا ہے اور ہم جن کے پاس اتنا ہے جو دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں اور خود بھی ہر موقع پر استعمال کرنے کے لئے ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے لیکن پھر بھی ہم اپنی ذات پر اتنا استعمال نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے ایسا آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دین دیا علم دیا اور اتنا دیا کہ خود استعمال کرنے میں اکثر و بیشتر اس کو دوسروں سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی حالانکہ دین مانگنا علم مانگنا یہ بہت بڑی سعادت ہے اور چیزوں کے معاملے میں سوال کرنا ذلت اور دین کے معاملہ میں علم کے معاملے میں کسی سے پوچھنا یہ عزت کی چیز ہے۔لیکن اکثر و بیشتر ہم میں سے بہت سوں کو دوسروں سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی الحمدللہ۔ بلکہ اپنے پاس اللہ کا دیا ہوا اتنا ہے کہ خود بھی استعمال کرسکتے ہیں اور دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں، لیکن سوچنا چاہئے کہ کہیں ہم خود استعمال کرنے سے محروم تو نہیں رہ رہے ہیں۔

ایک آدمی ایسا ہے کہ اس کے پاس ہے بہت کچھ لیکن وہ پرانے کپڑوں میں رہتا ہے حالانکہ اس کے پاس اچھا کپڑا ہے اگرچہ وہ بقدر ضرورت ہے اور اسکا ستر بھی چھپتا ہے اور وہ سردی سے گرمی سے بھی کسی حد تک بچتا ہے لیکن جس انداز کی نعمتیں اللہ پاک نے اس کو دی ہیں اس انداز سے استعمال نہیں کرتا یہ بھی محرومی یہ بھی کوتاہی کی بات ہے اور ایک صحابیؓ کا واقعہ ہے کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں صحابہؓ حاضر تھے اور ان میں ایک صحابیؓ پھٹے پرانے کپڑوں میں آئے آپ نے ان کو روکا اور روکنے کے بعد جب سب چلے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے فلاں مال، فلاں مال وہ سب کے بارے میں کہتے رہے الحمدللہ سب کچھ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ کی " إِنَّ اللّٰہَ یحبُّ أَنْ یُرَی أَثَرُ

نِعْمَتِهٖ عَلٰی عَبْدِهٖ[1] " اوکما قال کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھیں جب اللہ یہ پسند کرتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی ظاہری نعمتوں کا اثر دیکھیں۔ اللہ نے مال دیا ہے اچھا لباس پہنے اچھا کھانا کھائے وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے حضرتؒ جلال آبادی مکان کے سلسلے میں فرمایا کرتے تھے، ایک ہے رہائش کہ آدمی کے پاس اتنا ہو جس میں وہ کم از کم رہ سکے یہ تو ہے فرض۔ دوسری چیز فرماتے تھے آسائش، رہنے کو تو ہے لیکن ذرہ آرام دہ ہو وضوء کا بھی انتظام گھر میں ہے اور گرم پانی کا انتظام بھی ہے اور اس دوسری چیز کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ہے مستحب اور تیسرا ہے زیبائش یعنی بقدر ضرورت بھی ہے اور آسائش کا سامان بھی ہے لیکن ساتھ ساتھ اس کا بھی اہتمام ہو کہ ذرا اچھا لگے اس کو فرماتے تھے زیبائش یہ مباح ہے اور چوتھی چیز فرماتے تھے نمائش دکھلانا، یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جس بندے کو جو نعمت ملے اس کو چاہئے کہ راحت و آرام کے ساتھ اچھا استعمال کرے۔ اسی طرح جو ابدی نعمت ہے علم کی نعمت، دین کی نعمت کہ اللہ نے بہت زیادہ دیا ہے تو کیوں آدمی صرف فرائض، واجبات، سنن موکدہ پر ہی عمل کرے کیوں نہیں افضل پر عمل کرتا ہے کیوں اس کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ دوسروں کے پاس تھوڑا سا ہی ہے اور وہ بھی انہوں نے مجھ سے حاصل کیا ہے لیکن استعمال کرنے میں اپنی ذات پر وہ مجھ سے آگے ہیں اور میں پیچھے ہوں اس کا احساس ہونا چاہئے مگر ہمیں احساس نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بے حسی کو میرے اندر سے بھی آپ حضرات کے اندر سے بھی دور کردے۔ آمین۔

---

[1] ۔عن [جد عمرو بن شعیب]:] »إنّ اللهَ يُحبُّ أن يَرى أثَرَ نِعمتِهِ على عبدِهِ«.. شعيب الأرنؤوط (ت ۱۴۳۸)، تخريج رياض الصالحين ۸۰۳ • إسناده حسن • أخرجه الترمذي (۲۸۱۹) واللفظ له، والطيالسي (۲۳۷۵)، وابن أبي الدنيا في »الشكر« (۵۱).

نعمتوں کا صحیح استعمال

دنیا میں جس کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، بزرگ سمجھتے ہیں، تو اس کے چیز کی بہت قدر کی جاتی ہے، بطور تبرک اس کو رکھا جاتا ہے اور بہت ہی مخصوص مواقع پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ اس بزرگ نے جو چیز ہم کو دی اس نے اس کو خود نہیں بنایا خرید کر دی یا کسی سے بنوا کر دی اور اگر خود اپنے ہاتھ سے بنا کر دے کوئی بزرگ پھر تو اس کے کہنے ہی کیا اس کو تبرک سمجھ کر بعض مرتبہ دوسروں کو اس کی زیارت کرائی جاتی ہے اس کی قدر کی جاتی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ تبرکات اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں، ان کے ساتھ کیا ہمارا سلوک ہے۔ اللہ خود فرماتے ہیں کہ یہ چیز ہم نے تم کو دی ہے۔ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿البلد:۸﴾ کیا ہم نے انسان کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائی۔ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿البلد:۹﴾ زبان دی اور دو ہونٹ دئے، کس قدر عظیم نعمتیں ہیں اور ایسی نعمتیں ہیں کہ ان کے بغیر بندے کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں، یہ آنکھوں کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے، کون سا ایسا موقع ہے جہاں ہمیں کسی بھی کام کے لئے ان آنکھوں کا سہارا لینے کی ضرورت نہ

پڑے؟ ان آنکھوں کی ضرورت ہے، کس قدر قیمتی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اللہ بطور احسان کے فرماتے ہیں أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اب ہم خود سوچیں کہ کسی اللہ کے اچھے صالح بندے کی دی ہوئی کوئی معمولی چیز جس کو ہم کسی بھی وقت جا کر دکان سے خرید سکتے ہیں اور اس سے بہتر خرید سکتے ہیں اور کوئی مشقت بھی نہیں ہوگی، لیکن ہم سمجھتے ہیں نہیں یہ تو حضرت کا اپنا دیا ہوا ہے حضرت نے اپنے ہاتھ سے عنایت کیا ہے اگر چہ یہ پرانا ہے، پھٹا ہوا ہے، اس طرح کی پرانی چیز کو کہ فلاں کی دی ہوئی ہے بڑی قدر کرتے ہیں۔

اور جو یہ آنکھیں دی ہوئی اللہ کی اور وہ بھی بالکل نئی کہیں سے استعمال شدہ نہیں، پرانی نہیں اور ایسی کہ دنیا کے کسی کارخانہ میں، دنیا کے کسی خزانے میں، دنیا کی کسی فیکٹری میں جایئے نہیں مل سکتی اور ان کی کوئی قیمت بھی نہیں لگائی جاسکتی اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں دے سکتا اور وہ بھی دو دو دے دی اور استعمال کے لئے دے دی اور استعمال کرنے سے پرانی بھی نہیں ہوتی صفائی کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ سالہا سال استعمال کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت دو آنکھیں کبھی صفائی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بس اللہ نے مخصوص مواقع پر حکم دیا تھا دیکھو ایسے مواقع پر استعمال مت کرنا جب کہیں ایسا موقع آجاوے جہاں ان آنکھوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے خلاف ہو بس ایسے موقعوں پر اپنی آنکھوں کو جھکاؤ۔

اور باقی جگہ استعمال کرو گے تو بہت کچھ دوں گا، میرے کعبہ کو میرے گھر کو دیکھنے کے لئے استعمال کرو گے تو بہت دوں گا والدین کے چہرے کو دیکھنے کے لئے استعمال کرو گے تو بہت کچھ دوں گا، آسمان زمین، پہاڑ، سمندر، درخت اور دوسری ہماری مصنوعات اور ہماری مخلوقات میں دیکھنے کے لئے استعمال کرو گے ہماری معرفت کے لئے بہت کچھ دوں گا۔ بس انکا غلط استعمال نہ ہو۔ ہم اپنی جگہ سوچیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان عظیم نعمتوں، ان عظیم دو آنکھوں کو جن کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں ہوسکتی، جو دنیا کے کسی کارخانہ کسی فیکٹری اور کسی بازار سے نہیں مل سکتی، ہم سوچیں کہ ہم نے اِن کا کس انداز سے آج تک استعمال کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر رکھے ہیں، ان کو حکم دیا ہوا ہے؛ دیکھو میرے بندے کے ساتھ ساتھ رہنا، میں نے اس کو یہ دو آنکھیں دی ہیں، دیکھو کیسے اس کو استعمال کرے گا۔ میں نے اس کو دو ہونٹ دئے ہیں، دیکھو ان کو کن چیزوں میں استعمال کریں گا۔ تو پتہ نہیں کہ ان ہونٹوں کا کس قدر مدار ہے، کھانے، پینے اور دوسری چیزوں کے سلسلے میں۔ (اللہ حفاظت کرے) ہونٹوں کی یہ تری کبھی خشک ہوجاتی ہے تو آدمی کو نظر آتا ہے یہ کیا نعمت تھی۔ ہر چیز میں جہاں زبان کی ضرورت پڑتی ہے وہاں ہونٹوں کے بغیر چارہ ہی نہیں زبان دے دی سالہا سال سے استعمال کر رہے ہیں چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوتا ہے دیکھو اس کے زبان کے استعمال کو لکھنا، اس کے ہونٹوں کے استعمال کو لکھنا، اس کے ہاتھ پیروں کے استعمال کو لکھنا ہم نے جتنی نعمتیں دیں سب کا استعمال لکھ کر رکھنا کل

جب ہماری بارگاہ میں حاضر ہوگا ہم اس کو یہ کہہ دیں گے۔کہ اقْرَأْ كِتَابَكَ ﴿الإسراء: ۱۴﴾ پڑھ اپنی کتاب کو اب جو اس نے اپنی آنکھوں کا دیکھا ہوا سارا ریکارڈ، زبان کا کہا ہوا ہاتھ پیروں کا کیا ہوا سارا کا سارا اس میں دیکھ لیا وہ خوش ہوگا اور خوش ہو کر اپنے لوگ، احباب، رشتہ داروں کو یہ کہہ کر وہ اپنا ریکارڈ دکھلاتا پھرے گا: فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿الحاقة: ۱۹﴾۔ یا ایسا رسوا اور ایسی شرمندگی کا سامنا ہوگا کہ تمنا کرنے لگے گا۔ یا لیتنی لم اوت کتابیه۔کاش کہ مجھے میرے نامۂ اعمال کی کاپی دی ہی نہ جاتی۔

اس لئے مومن بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کی قدر کرے۔اللہ کا شکر ادا کرے ان کا صحیح استعمال کرے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ان چیزوں کا استعمال کرے اور ہمیشہ آنکھوں کا اللہ کی دی ہوئی بقیہ نعمتوں کے غلط استعمال سے اپنے آپ کو بچائے اگر خدانہ خواستہ کہیں غلط استعمال ہو چکی ہیں بس ندامت شرمندگی کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر کے اللہ سے عہد کرے کہ ربا! آئندہ میں ارادہ کرتا ہوں آپ کی توفیق مانگتا ہوں ان شاء اللہ آپ کی دی ہوئی نعمتوں کو غلط استعمال نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ حضرات کو سب کو سچی توبہ عطا کر دے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان بے شمار نعمتوں کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

مجاہدہ کی عادت

ایک ہے جہاد اور ایک ہے مجاہدہ۔ جہاد ظاہری دشمنوں سے ہوتا ہے اور مجاہدہ چھپے ہوئے دشمنوں سے۔ اسلئے مجاہدہ ہر مومن بندہ پر تقریباً فرض ہے۔ اسی لئے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہاں تک فرمایا: اَلْمجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ [1] حقیقی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے اللہ کی اطاعت میں۔ اور قرآن میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴿العنکبوت: ۶۹﴾ جو ہمارے لئے، ہمارے بارے میں، ہم تک پہنچنے کے لئے، ہمیں خوش کرنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے، اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ہم ان کو ضرور باضرور اپنے راستوں تک رسائی عطا کریں گے، اپنے راستوں کی رہبری کریں گے۔ اس لئے ہر مومن بندہ یہ طے کرلے کہ بغیر مجاہدہ کے کام نہیں چلتا، بڑے سے بڑا نیک متقی آدمی اگر مجاہدہ چھوڑ دے تو خطرے میں ہے اور بالکل آوارہ آدمی اگر مجاہدہ شروع کردے تو ان شاء اللہ سدھر جائے گا اور مجاہدہ کا مطلب نفس کی مخالفت ہے۔ اسی لئے پہلے زمانہ میں بزرگانِ دین، اولیاء کرام بہت زیادہ مجاہدے

---

[1]۔[عن فضالة بن عبيد:] المسلِمُ من سلمَ المسلمونَ من لسانِهِ ويدِهِ، والمؤمنُ من أمنَهُ النّاسُ على دمائِهِم وأموالِهِم، والمجاهدُ مَن جاهدَ نفسَهُ في طاعةِ اللهِ والمُهاجِرُ مَن هجَر الخطايا والذُّنوبَ. الألباني (ت ١٤٢٠)، تخريج مشكاة المصابيح ٣١ • إسناده صحيح • أخرجه أحمد (٢٤٠١٣)، والبزار (٣٧٥٢)، والطبراني (١٨/٣٠٩) (٧٩٦).

خود بھی کرتے تھے اور بہت زیادہ مجاہدوں کا حکم اپنے طالبین کو دیا کرتے تھے اور مجاہدے کے چار ارکان کو بیان کیا کرتے تھے۔(۱) قلت طعام (۲) قلت کلام (۳) قلت منام اور (۴) قلت اختلاط مع الانام۔

قلت طعام (کم کھانا) ظاہر بات ہے کہ کم کھانا کتنی بڑی مخالفت ہے کتنا بڑا مجاہدہ ہے اور قلت منام (کم سونا) یہ بھی بہت بڑا مجاہدہ ہے نفس کے لئے خصوصاً جب آدمی سویا ہو، سردیوں کی رات ہو، بسترہ گرم ہو اور پھر آدمی اس بسترے کو چھوڑے، وضو کرے، اللہ کے گھر میں آئے، تہجد پڑھے اور اپنے نفس کے جذبات کو پامال کرلے، نفس پر ایسے وقت آرے چلتے ہیں۔لیکن آدمی بنتا جب ہی ہے۔اب آج ہم لوگوں سے یہ مجاہدے کی عادت چھوٹ گئی۔

تو قلت طعام کم کھانا، پہلے زمانے میں بہت کم کھایا کرتے تھے۔قلت منام کم سونا، اللہ تعالیٰ کے بندے پہلے بہت کم سویا کرتے تھے۔لیکن اب بزرگوں نے کہا اب چونکہ قوی اتنے مضبوط نہیں ہوتے، اس لئے اگر آدمی بالکل ہی کم کھائے گا بالکل ہی کم سوئے گا تو کسی کام کا نہیں رہے گا۔اس لئے کم کھانے والوں کو مجاہدے کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک بھوک نہ لگ جائے آدمی کھاوے نہ اور جب بھوک لگی بہتبھوک لگےتو کھالے لیکن بس چند لقمے کم کرلے یعنی کسی حد تک پیٹ بھر کر تو کھالے البتہ جی بھر کر نہ کھائے[1]۔

---

[1]۔[عن المقدام بن معدی کرب:] ما ملأ آدمیٌّ وعاءً شرًّا من بطنٍ بحسبِ ابنِ آدمَ أُكَيلاتٍ يُقِمن صُلبَه فإن كان لا محالةَ فثُلثٌ لطعامِه وثلثٌ لشرابِه وثلثٌ لنفَسِه.

المنذری (ت ٦٥٦)، الترغیب والترهیب ٣/١٦٦ • [إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما] • أخرجه الترمذی (٢٣٨٠)، والنسائی فی »السنن الكبری« (٦٧٦٩)، وابن ماجه (٣٣٤٩)، وأحمد (١٧١٨٦).

اسی لئے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں رائج ہوئی اور پیغمبر علیہ السلام کے بعد جاری ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے[1]۔ خود امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی یہ عادت نہیں تھی اور پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ پیٹ کے تین حصے کئے جائیں۔ تو بہر حال بغیر بھوک کے نہ کھاوے اور زیادہ پیٹ بھر کر نہ کھائے۔

اور قلت منام (کم سونا) میں کہا کرتا ہوں کہ پانچ چھ گھنٹے کے آس پاس آدمی سوجائے، ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ کم از کم پانچ گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے سوئے۔ تو چھ گھنٹے آدمی سو گیا نفس کا وہ حق ادا ہو گیا۔ جیسے زیادہ کھانا بیماری کا باعث ہے اسی طرح زیادہ سونا بھی بیماری کا باعث ہے، تو ان دو چیزوں میں تو کسی قدر تخفیف ہے لیکن دو چیزیں اور ہیں، قلت کلام کم بولنا یہ آج بھی اسی طرح ہیں۔ اسلئے آدمی کی جب زیادہ بولنے کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر نہ معلوم کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے۔

اس لئے شیخ فریدالدین عطارؒ کا ارشاد ہے ؎

گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن ۔۔۔ دل زِ پُر گفتن بمیرد در بدن

کہ دل زیادہ بولنے سے مرجاتا ہے چاہے، اسکا بولنا بظاہر کتنا ہی فصاحت اور بلاغت کو لئے ہوئے ہو۔ اور جب آدمی بولنے میں لگ جاتا ہے تو اچھے کاموں سے محروم رہ جاتا ہے۔

---

[1]۔عن هشام بن عروة، عن أبيه، قال: قالت عائشة: "إن أول بلاء حدث في هذه الأمة بعد قضاء نبيها صلى الله عليه وسلم: الشبع، فإن القوم لما شبعت بطونهم سمنت أبدانهم، فتصعبت قلوبهم، وجمحت شهواتهم".

الجوع لابن أبي الدنيا: (رقم الحديث: 22، 4/82، ط: المكتبة العصرية)

اور قلت اختلاط مع الانام (لوگوں کے ساتھ کم میل جول رکھنا) اس سے متعلق میں کبھی طلباء یا دوسرے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ اگر ایک گھنٹے کے لئے آدمی ترغیب دے، ہزاروں آدموں کے مجمع کے درمیان اچھے انداز سے بات کرے کہ فلاں دشمن ہے ان کے خلاف کچھ قدم اٹھانا ہے تو شاید ہزار میں سے پانچ چھ سو تیار ہو ہی جاویں گے۔ لیکن جہاں اس بات کی ترغیب دی جائے کہ دیکھو نفس دشمن ہے یہ فلاں فلاں انداز میں حملہ کررہا ہے، آنکھوں کے راستے سے، زبان کے راستے سے، کانوں کے راستے سے، اور بھرپور تقریر کی جائے بھرپور واعظ کہا جائے موثر انداز سے شاید ہزار میں گنے چنے افراد تیار ہونگے۔

بہر حال آدمی کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس نفس کے ساتھ مجھے مجاہدے کا حکم دیا گیا ہے، بعض موقعوں پر تو اس کی مخالفت فرض ہے جیسے آدمی کا اندر سے نفس تقاضا کررہا ہے بدنگاہی کا اب وہاں پر نگاہ جھکانا یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے، خاص کر خدانخواستہ جب گندی ناپاک عادت پڑ گئی ہو بدنگاہی کے جرم کی، اب آنکھ کا بچانا بہت بڑا مجاہدہ ہے لیکن ایسے موقع پر یہ مجاہدہ کرنا فرض ہے۔ نفس عادی بن گیا رشوت خوری کا، نفس عادی بن گیا کام چوری کا، ایک آدمی ملازم ہے، ڈیوٹی پر ہے، وقت متعین ہے، لیکن نفس اندر سے بیٹھنے نہیں دیتا، وقت پر ڈیوٹی پر آنے نہیں دیتا حالانکہ کوئی ایسا عذر نہیں، صرف نفس آڑے آتا ہے تو ایسے موقع پر نفس کی مخالفت فرض ہے۔

اس لئے آدمی کو مجاہدے کی عادت بنانی چاہئے، یہ جو بڑی بڑی بھلائیوں سے آدمی محروم رہ رہا ہے یہ مجاہدے کا نہ ہونا ہے، جو آج کل کی لمبی رات ہے آدمی سوتے سوتے تھک جاتا ہے اور پھر بھی تہجد کی نماز سے محرومی رہتی ہے اس کی

وجہ کیا ہے یہ مجاہدہ کی عادت نہ ہونا ہے۔ اس لئے نفس جہاں سستی کرے وہاں اس کے خلاف معاملہ کرو، نماز میں سستی کرتا ہے نفس تو اس کو خوب نوافل کی عادت ڈلوادو۔ تلاوت میں سستی کرتا ہے اگر ایک پارے کا معمول ہونا چاہئے دو دو پارے اس سے تلاوت کراؤ، جی لگے یا نہ لگے۔ پندرہ منٹ اسکوذکر کی عادت ہے نہیں مانتا آدھے گھنٹے لگاؤ۔ فضول باتیں کرتا ہے وہ نہیں رکتا ایک بات پر چار رکعت کی نفل کی عادت بناؤ، جب آدمی نفس کی مخالفت کی عادت ڈالتا ہے تو پھر وہ مجاہدہ بعد میں مجاہدہ نہیں رہتا بلکہ طبیعت بن جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کے لئے عبادت عادت بن جائے گی، یا عادت عبادت بن جائے گی اور طبیعت شریعت بن جائے گی یعنی نفس کو اس قدر کسی چیز کا عادی بناؤ، اس قدر عادی بناؤ کہ شریعت کا حکم اس کے لئے ایک طبعی چیز بن جائے۔ جیسے سامنے آگ ہو یا کوئی خطرے کی چیز ہو تو آدمی کی طبیعت خود بہ خود رک جاتی ہے۔ اگر چہ کوئی کتنی بھی ترغیب دے اور اگر اس کو خطرہ ہو کہ آگے پانی میں گر سکتا ہوں، آگے گندی نالی میں گر سکتا ہوں، آگے آگ میں گر سکتا ہوں تو اس کو روکنے کے لئے کسی بات کی ضرورت نہیں پڑتی اب، ایک طبعی چیز ہے آدمی کی طبیعت بن چکی ہے تو وہ خود بہ خود پیچھے ہٹتا ہے۔

ایسے ہی جب مومن بندے کی عادت ٹھیک ہوجاتی ہے، تو شریعت اس کے لئے پھر طبیعت بن جاتی ہے۔ جیسے آدمی گندی نالی میں گرنے سے خود بہ خود رک جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر آنکھ کے راستے سے گندی نالی میں گرنے کا موقع آ گیا چونکہ اس کے لئے طبیعت شریعت بن چکی ہے یا شریعت اس کے لئے طبیعت بن چکی ہے اب اس آنکھ کے راستے سے گندی نالی سے گرنے سے خود بہ خود رک جاوے گا اور خدانخواستہ

کہیں ٹھوکر لگ گئی اب بے چینی ہو جائے گی جب تک کہ گندی نالی کا جو کیچڑ اور جو گندگی آنکھ کے راستے سے دل میں آ چکی ہے اس کو نہیں دھوئے گا اس کو چین نہیں آئے گا۔

تو جب آدمی مجاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کے لئے شریعت طبیعت بن جاتی ہے۔ شرعی تقاضے اس کے لئے طبعی تقاضے بن جاتے اور طبیعت شریعت بن جاتی ہے اس کی طبیعت اب انہی چیزوں کا تقاضا کرتی ہے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے لیکن اس کے لئے بہر حال مجاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے بڑوں کو بھی والدین کو بھی، بچوں کو بھی، اساتذہ کو بھی، ذمہ داروں کو بھی، طلباء کو بھی مجاہدے کی عادت بنانی چاہئے اور بچپنے سے ہی بنانی چاہئے۔

یہ جو بار بار کی سستیاں ہماری بہت ساری بھلائیوں کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے یہ سارا کا سارا فساد جو ہے مجاہدہ نہ ہونے کا ہے، نفس کی غلامی کا ہے۔ نفس پرستی حرام ہے، جیسے بت پرستی حرام، قبر پرستی حرام، اور دنیا پرستی حرام، اسی طرح جو ہے نفس پرستی بھی حرام ہے اسلئے تو قرآن پاک نے فرمایا:

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان:۴۳) کیا تم نے اس آدمی کو دیکھا جس نے اپنے نفس کو اپنا الٰہ بنا رکھا ہے۔ الٰہ بنانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کی عادت بگڑ چکی ہے، اب شریعت کے مقابلے میں وہ اپنی طبیعت کے تقاضے کو پورا کرنا اہم سمجھتا ہے۔ شریعت کا حکم کچھ ہے اور طبیعت کا کچھ، لیکن شریعت کے حکم کو طبیعت کے حکم کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ رہے ہیں۔ یہی تو ہے اپنے نفس کو الٰہ بنانا اور اپنے نفس کو معبود بنانا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو صحیح معنی میں مجاہدے کی توفیق عطا فرمائے اور نفس کی ہر طرح کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

قربِ الٰہی کے تین راستے

اللہ تعالیٰ نے اپنے تعلق اور اپنی ذات تک رسائی کے لئے اپنے قرب کے لئے، تین اہم راستے بتائے ہیں اور محض بتائے ہی نہیں بلکہ ان راستوں سے چلنا اور ان راستوں سے اللہ کی رسائی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا اللہ نے لازم قرار دیا ہے اور جب بندہ ٹھیک طریقے سے ان راستوں سے اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے رسائی کا وعدہ ہے، جتنا اس دنیا میں ممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴿العنکبوت: ۶۹﴾

وہ تین راستے کیا ہیں؟

ایک ہے نماز کا راستہ۔ جب بندہ حقیقی معنی میں نماز پڑھتا ہے اور ٹھیک طریقے سے نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور اُدھر سے گناہوں سے بچتا ہے، تو یہ راستہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو اللہ کی نزدیکی کو حاصل کرنے کے لئے اہم ترین راستہ ہے اس راستہ سے چلتے چلتے بندہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے کس مقام تک پہنچتا ہے، اس کو اللہ نے خود ایک حدیث قدسی میں بیان فرمایا ہے کہ۔ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي

يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ [1] کہ بندہ برابر، مسلسل، میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، میرے قریب ہوتا جاتا ہے، ہوتے، ہوتے، ہوتے، ہوتے، ہوتے وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ میں اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہوں اور پھر میری اس بندے کے ساتھ محبت کا اثر اس پر کیا پڑتا ہے، بس الفاظ کو ہم دہرا سکتے ہیں، حقیقت اللہ جانتا ہے۔ فرمایا: میں اپنے اس بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ میرے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اپنے بندے کی زبان بن جاتا ہوں، وہ میرے ذریعہ بولتا ہے، میں بندے کے کان بن جاتا ہوں میرے ساتھ سنتا ہے، میں اپنے بندے کے ہاتھ بن جاتا ہوں میرے ذریعہ مجھ سے پکڑتا ہے میں اپنے بندے کے پیر بن جاتا ہوں میرے ذریعہ چلتا ہے۔ اب یہ الفاظ تو ہیں، اللہ تعالیٰ ان الفاظ کی حقیقت تک ہم کو رسائی نصیب کر دے (آمین) تو ایک تو ہے نماز کا راستہ۔

دوسرا راستہ ہے تلاوت کا راستہ۔ اللہ ہم کو تلاوت نصیب کر دے اور تلاوت کے ذریعہ اللہ تک رسائی حاصل کر دے (آمین) قرآن کی ہر آیت کی ایک عجیب الگ شان ہے، سورہ فاتحہ کو بندہ اگر ٹھیک پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، تو ایک ایک آیت پر بندے کو اس کی حیثیت کے مطابق اللہ تک رسائی نصیب ہوتی

---

[1] -[عن عائشة أم المؤمنين:] قال اللهُ ﷻ: مَن أذَلَّ لی وليًّا، فقد استَحَلَّ مُحارَبَتی، وما تَقَرَّبَ إلَیَّ عَبْدی بمِثلِ أداءِ الفَرائِضِ، وما يَزالُ العَبدُ يتقَرَّبُ إلَیَّ بالنَّوافِلِ حتی أُحِبَّه، إنْ سألَنی أعطَيْتُه، وإنْ دَعانی أجَبْتُه، ما تَرَدَّدتُ عن شَیءٍ أنا فاعِلُه تَرَدُّدی عن وفاتِه، لأنّه يَكرَهُ المَوتَ، وأكرَهُ مُساءَتَه، وقال أبو المُنذِرِ، قال: حَدَّثَنی عُروةُ، قال: حدَّثَتْنی عائِشةُ، وقال أبو المُنذِرِ: آذی لی..

شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٢٦١٩٣ • صحيح لغيره • أخرجه أحمد (٢٦١٩٣) واللفظ له، والبزار (٩٩)، والطبرانی فی »المعجم الأوسط« (٩٣٥٢)

ہے، کبھی بندے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا پرتو پڑتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ کو بندہ الرحمان الرحیم کہہ کر گویا کہ اس رحمت کے سمندر میں کھوجاتا ہے، کبھی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں جو ضمیر مخاطَب ہے وہ کبھی بندے کو بیچ کے پردے سے ہی بے نیاز کردیتی ہے! اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ ہم کو اپنے تک رسائی نصیب فرمائے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے محبوب حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اے پیغمبر راتوں کو اٹھ جایا کیجئے اور دو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو کیا کریں۔ اور وقت بھی مقرر کرلیا کہ آدھی رات، ایک تہائی رات، دو تہائی رات، اس سے کم وبیش اُٹھ جایا کریں اور یہ بھی فرمایا کہ رات کا اٹھنا نفس پر تو بڑا ناگوار ہے اور نفس کو کچلنے میں موثر ہے لیکن جب بندہ رات میں اٹھ جاتا ہے اور اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، اپنے رب سے راز و نیاز کا معاملہ اس کو نصیب ہوتا ہے، تو بس کچھ نہ پوچھو۔ وَاَقْوَمُ قِیْلًا (مزمل:٦) اور دوسرا کام کیا فرمایا؟ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (مزمل:٨) بس اپنے رب کے نام کا آپ ذکر کیا کیجئے اور جب اللہ کا ذکر کریں اللہ کا نام لیں تو اس وقت کیفیت کیا ہو؟ فرمایا: بس وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل:٨) ہر طرف سے ہر طرف سے کٹ کر۔

تو یہ تین راستے ہیں ایک نماز کا راستہ، ایک تلاوت کا راستہ اور ایک اللہ تعالیٰ کے ذکر کا راستہ۔

جب بندہ ان تینوں راستوں کو اپناتا ہے تو جس قدر وہ ٹھیک طریقوں سے ان راستوں سے چلنے کی کوشش کرتا ہے اور بار بار چلتا ہے، بار بار

چلتا ہے، اس لئے کہ اللہ نے ان راستوں کے چلنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے رات کا وقت اپنی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور یہ ٹھیک ہے کہ پانچ مرتبہ نماز کے ذریعہ اس راستے پر چلنا لازم قرار دیا ہے لیکن باقی میں اجازت دے دی جب چاہو آ جاو بس نماز کے چند ممنوع اوقات ہیں ان کو چھوڑ کر جب چاہے۔ نماز کے راستے سے، تلاوت کے راستے سے، ذکر کے راستے سے۔ جب چاہیں آ جائیں اور پھر چوتھا راستہ اور بتا دیا وہ یہ ہے کہ ان راستوں پر چلنے کی آپ ہم سے خصوصی مدد طلب کیا کریں، اس کے لئے اللہ نے دعا کا راستہ بتایا۔

ہر مسلمان کو اور خاص کر طلباء کو، پڑھنے والوں کو، پڑھانے والوں کو، ان راستوں سے خاص حصہ لینا چاہئے اور ان راستوں پر جس قدر ممکن ہو ٹھیک طریقے سے چلنے کی کوشش کریں اور جس قدر موقع ملے زیادہ سے زیادہ چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ مجھے بھی نصیب کرے آپ حضرات کو بھی نصیب کرے، ساری امت کو نصیب کرے۔ آمین۔

دنیا میں چلنے کے مختلف راستے

دنیا میں چلنے کے بہت سارے راستے ہیں، اورلوگ چلتے ہیں، آدمی معاش کے راستے میں چلتا ہے،کوئی تجارت کی لائن سے، ملازمت کی لائن سے، محنت مزدوری کی لائن سے،تعلیم کے راستے سے آدمی چلتا ہے، اسی طرح بہت سارے راستے ہیں جن پر آدمی چلتا ہے، ان میں سے کسی ایک راستے پر چلنا کوئی ضروری نہیں کوئی بھی راستہ ایسانہیں کہ اگراس پر آدمی نہیں چلے گا تو اس کے لئے ہر اعتبار سے ناکامیاں ہیں، مثلاً اس وقت تعلیم وقت کی ضرورت ہے اگر کوئی حاصل نہیں کرتا تو اس مروجہ تعلیم کے راستے میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ اس کا کوئی کام رک جاوے، کھانے کا، پینے کا، رہنے کا وغیرہ۔ ملازمت کا ہی راستہ ہے اگراس پرنہیں چلاتو کیا پھر کام نہیں بنے گا؟ تجارت ہی کا راستہ ہے، اگراس پرنہیں چلاتو کام نہیں بنے گا،محنت مزدوری کے راستہ پر اگرنہیں چلاتو کیا کام نہیں بنے گا؟ یعنی کوئی بھی راستہ ایسا نہیں اگرآدمی اس راستے پر نہ چلے گا تو اس کا کام نہیں چلے گا۔ ہاں ضرورت کے مختلف راستے ہیں کوئی کسی راستے پر چلتا ہے،کوئی کسی راستے پر۔

اور اگر کوئی کسی بھی راستہ پر نہ چلا تو جب کوئی ایسا مسئلہ نہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے لئے رزق کے ایسے راستے خود اس تک پہنچ جاتے ہیں اس کو راستوں پر

نہیں چلنا پڑتا، بہت سے راستے ہیں جو اس تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کا کام بن جاتا ہے۔ ہاں ایک راستہ ہے جس پر چلے بغیر کسی کو چارہ ہی نہیں ہے، اور وہ صرف اور صرف دین کا راستہ ہے۔اس دین کے راستے پر چلے بغیر کسی کو کوئی چارہ ہے ہی نہیں۔اس پر نہیں چلے گا تو آگے انجام پھر جہنم ہے۔ یا تو العیاذ باللہ کوئی آدمی طے کر لے جو کچھ بھی ہو، العیاذ باللہ جہنم میں جانا ہے تو پھر الگ مسئلہ ہے، لیکن اگر کوئی جہنم سے بچنا چاہتا ہے اور ہر آدمی چاہتا ہے کہ میں جہنم سے بچوں تو اس جہنم سے بچنے کے لئے اور جنت تک پہنچنے کے لئے دین کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔اس لئے دین کے راستے پر ہر بندے کو چلنا ہے پھر دین کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں اگر آدمی چلتے چلتے کہیں راستے میں رک گیا اور منزل تک نہیں پہنچ سکا اس سے پہلے ہی وفات ہوگئی مر گیا کوئی حادثہ پیش آیا تو اب تک کا چلنا اس کا بیکار۔آدمی چل رہا ہے ابھی منزل پر نہیں پہنچ گیا بیچ میں موت آگئی تو اب تک کا چلنا بے کار ہو گیا۔

کوئی آدمی ڈاکٹر بننے کے راستے پر، انجینئر بننے کے راستے پر، لیکچرار بننے کے راستے پر بہت بڑا تاجر بننے کے راستے پر چل رہا ہے ابھی پورا چلا ہی نہیں تھا کچھ ہی دور چلا تھا کہ موت آگئی تو سارا پلان اور سارا منصوبہ اس کا فیل ہو گیا لیکن دین کا راستہ ایسا نہیں، آدمی نے چلنا شروع کر لیا اور طے کیا زندگی کے آخری سانس تک چلتا رہوں گا اور صرف خود نہیں چلوں گا خود تو چلوں گا ہی اپنے اہل وعیال اور آنے والی نسلوں کے چلانے کا منصوبہ ذہن میں بنائے ہوئے ہے، یہ پہلے غفلت میں پڑا تھا اب چلنا شروع کر دیا ابھی ایک ہی دن چلا تھا دو ہی دن چلا تھا کہ موت آگئی اس ایک دن دو دن چلنے

سے بھی اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ ایک دن کا چلنا ضائع اور رائیگاں نہ ہوگا، بلکہ ایک بندہ ہے جو پچاس سال سے دین کے راستے پر چل نہیں رہا تھا اس راستے کو اختیار نہیں کر رہا تھا، اس راستہ کو تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا، آج اس نے پہلی بار اس راستے کو کلمہ شہادت پڑھ کر تسلیم کیا اور ارادہ کیا کہ اب ہمیشہ اس پر چلوں گا لیکن اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ بیچارا قدم آگے بڑھاتا حتیٰ کہ ایک نماز تک کے ذریعہ اس کو چلنے کا موقع نہیں ملا، نماز کا وقت آنے سے پہلے پہلے اللہ نے اس کو اپنے پاس بلا لیا لیکن صرف اس نے چلنے کے راستہ کا انتخاب کیا اور تسلیم کیا اور ارادہ کیا کہ چلوں گا۔ حالانکہ آگے چلنے کا اس کو موقع ملا نہیں لیکن اس ارادہ پر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ وہ معاملہ فرمائیں گے ان شاء اللہ کہ اگر وہ زندگی بھر چلتا رہتا تو پھر بھی وہیں تک جاتا یعنی جنت میں۔

اس لئے مومن بندے کو ذہن کے اندر یہ دو باتیں رکھنی چاہئیں کہ اس دین کا راستہ ایسا ہے کہ اس کے اوپر چلے بغیر کوئی چارہ ہے ہی نہیں اور جتنا چلوں گا جتنے قدم دین کے راستے میں اٹھاؤں گا، چاہے نماز کے راستے سے چل کر، تلاوت کے راستے سے، اللہ کے ذکر کے راستے سے، تقوے اور پرہیزگاری کے راستے سے، دوسروں کے کام آنے کے راستے سے، صدقات و خیرات کے راستے سے، جو قدم جس انداز سے اٹھاؤں گا ان شاء اللہ کوئی قدم ضائع اور رائیگاں نہیں ہوگا اور پھر چلنا شروع کرے ،ہاں نیت یہ کرے کہ زندگی کے آخر دم تک چلتا رہوں گا اور نیت کرے ان شاء اللہ اپنے آپ کو پھسلنے نہیں دوں گا اللہ کے فضل سے۔ اب جب اس نے چلنا شروع کر دیا لیکن بندہ ہے، بشر ہے کتنا ہی اہتمام کے ساتھ چل رہا ہو راستے میں کہیں نہ کہیں آدمی

پھسل جاتا ہے۔ پھر جب راستہ بھی ایسا ہو، ماحول بھی ایسا ہو کہ ہر جگہ پھسلنے کا خطرہ ہو تو بعض مرتبہ بڑے سے بڑا آدمی بھی پھسل جاتا ہے، لیکن وہ اپنی طرف سے کوشش کر رہا ہے کہ پھسلوں گا نہیں، پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا ہے لیکن اس کے باوجود خدانخواستہ کہیں پھسل گیا اور کیچڑ میں گر گیا، گندی نالی میں گر گیا، اب اس گندی نالی میں پڑا نہ رہا، فوراً اٹھتا ہے اور اس گندگی کو نہا دھو کر دور کر لیا اور چلنا شروع کر دیا، پھر خدانخواستہ کہیں پھسل گیا پھر وہی معاملہ کر لیا۔ تو اس طرح امید ہے کہ گرتے، پڑتے، پھسلتے، سنبھلتے کسی نہ کسی وقت منزل پر پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اگر ایک بار گرا، دوسری بار گرا، تیسری بار گرا، اور یہ سوچ کر کہ یار کتنی بار میں گر گیا فائدہ کیا ہے چلنے کا؟ اور اسی گندگی میں پڑا رہا تو وہیں موت آجائے گی۔

اسی طرح مومن بندہ دین کے راستے پر چلتا رہا چلتا رہا، جگہ جگہ کیچڑ ہے، کہیں آنکھ کے راستے سے پھسلا، پھر سنبھل گیا، پھر توبہ کے پانی سے اپنے آپ کو غسل دے دیا، پھر چلا، کہیں زبان کے راستے سے پھسل گیا، کہیں کان کے راستے سے پھسل گیا، کہیں ہاتھ پیر کے راستے سے پھسل گیا لیکن پھسلتے ہی پھر سنبھل گیا، یعنی کوشش تو یہ پوری کر رہا ہے کہ نہ آنکھ کے راستے سے پھسلوں نہ زبان کے راستے سے پھسلوں لیکن بہر حال بندہ بشر ہے کہیں نہ کہیں بے چارہ بندہ ٹھوکر کھا جاتا ہے اور گر جاتا ہے، لیکن فوراً سنبھل گیا اور چلنا شروع کر دیا، چلنا شروع کر دیا۔ تو اس کے بارے میں پوری امید ہے کہ ان شاء اللہ منزل تک پہنچ جائے گا لیکن اگر چلتے چلتے کہیں پھسل گیا اور بس اسی گندگی میں پڑا رہ گیا تو پھر نا کام ہو گیا۔

اور یاد رکھیں !ایک ہے ظاہری گندگی خدانخواستہ کوئی اس میں گر گیا پھر اس گندگی کو اپنے جسم پر ویسے ہی رہنے دے اُسے نہا دھو کر صاف نہ کرے آدمی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا لیکن یاد رکھیں ناپاکی کے پانی میں گرنا اتنا برا نہیں جتنا خدانخواستہ کسی گناہ کی گندگی میں آدمی کا گرنا ہے۔لیکن ظاہری گندگی سے بچنے سے بہت زیادہ اہتمام ہے،کرنا چاہئے۔ مومن بندے کو چلنے میں، اٹھنے میں، ظاہری نجاست نہ لگے،اس سے زیادہ مومن بندہ کو یہ فکر کرنی چاہئے کہ کہیں میں خدانہ خواستہ گناہ کی گندگی میں گر نہ جاؤں یا کہیں گناہ کی گندگی میری آنکھ کے راستے سے، میری زبان کے راستے ، میرے کان کے راستے سے، میرے ہاتھ پیر کے راستے سے، میری سوچ کے راستے سے، میرے دل اور دماغ کے راستے سے، میرے تعلقات کے راستے سے،میری کمائی کے راستے سے، میرے خرچ کے راستے سے، میرے اخلاق عادات کے راستے سے،کہیں خدانخواستہ گناہ کی گندگی اندر نہ جائے جس سے میرا دل متاثر ہوجائے اور پھر دل سے وہ گندگیاں دوسرے اعضاء میں پھیل نہ جائیں دل میں گندگی آجاتی ہےتو پھر اس دل کی گندگی کی بدبو آنکھ کے راستے سے پھیلنی شروع ہوتی ہے،زبان کے راستے سے، ہاتھ کے راستے سے، پیر کے راستے سے۔ظاہری اعضاء کا اثر دل پر پڑتا ہے،آنکھ نے کوئی گندی چیز دیکھی تو گندگی کا اثر دل پر پڑ جائے گا، ایسے ہی جب دل کے اندر گندگی جمع ہوگئی چاہے آنکھ ہی کے راستے سے کیوں نہ ہوئی ہو،اب وہ پھیلنی شروع ہوجائے گی اندر تو آئی تھی وہ آنکھ کے راستے سے اب جب پھیلنی شروع ہوگئی اب ہاتھ کے راستے سے نکلنے لگی ، کان کے راستے سے نکلنے لگی ،

زبان کے راستے سے نکلنے لگی، ہاتھ پیر کے راستے نکلنے لگی، پہلے آنکھ بھی محفوظ تھی، کان بھی محفوظ تھے، پہلے ہاتھ پیر بھی گناہوں سے محفوظ تھے، اور دوسری چیزیں بھی محفوظ تھیں، لیکن جوں ہی آنکھ کے راستے سے گندگی اندر پہنچ گئی اب اس کے اثرات پھیلنے لگے اب ہاتھ بھی گناہوں میں مبتلا ہونے لگے، پیر بھی گناہوں میں مبتلا ہونے لگے، کان بھی گناہوں میں مبتلا ہونے لگے، سوچ بھی گناہوں میں مبتلا ہونے لگی، چلنا پھرنا گناہوں میں مبتلا ہونے لگا۔

اس لئے مومن بندہ یہ سوچے کہ دین کے راستے پر چلے بغیر تو کوئی چارہ ہے ہی نہیں، میں کسی بھی راستے پر نہ چلوں تو کام چل سکتا ہے، لیکن دین کے راستے پر نہیں چلوں گا تو اس کے بغیر میرا تو جینا ہی ممکن نہیں مؤمن بندہ اور دین کے راستے کو چھوڑ کر چلے یہ مومن کی شان ہی نہیں مومن کا ایمان ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اس کے بغیر سوچ ہی نہ سکے۔

مومن نماز چھوڑ دے، یہ تو سوچنا ہی نہیں چاہئے، قرآن کی تلاوت سے محروم رہے، اللہ کے ذکر سے محروم ہے، گناہ ہوجائے پھر بغیر توبہ کے رہے؟ مومن بندہ کا مزاج تو ایسا شاہانہ ہونا چاہئے کہ وہ اس کے بغیر سوچ بھی نہ سکے اس انداز کا مزاج بن جائے اور اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے جب بندہ چلتا رہتا ہے چلتا رہتا ہے، تو اس کا مزاج دینی بنتے بنتے پھر دینی اعتبار سے اس کا مزاج شاہانہ بنتا ہے اور شاہانہ مزاج بننے کے بعد پھر اس کے اثرات آجاتے ہیں، شاہانہ لباس پہنے ہوئے کو اس پر ذرا سا دھبہ لگ جائے تو شاہانہ مزاج اس کو برداشت نہیں کرتا، کھانے کے بارے میں،

خوشبو میں، لذت میں، کوئی دوسرا اثر ہو تو شاہانہ مزاج اس کو برداشت نہیں کرتا۔

ایسے ہی جب مومن بندے کا مزاج ایمانی اعتبار سے شاہانہ بن جاتا ہے، پھر غیر اختیاری نظر پڑ گئی مومن بندہ کا وہ شاہانہ ایمانی مزاج برداشت نہیں کرتا اتفاقاً زبان سے کسی کے بارے میں کوئی غیبت کی بات نکل گئی شاہانہ مزاج پر ایسا اثر پڑ گیا کہ وہ برداشت ہی نہیں کر پا رہا ہے۔ پریشان ہے، اپنے کمپیوٹر پر، کسی اور چیز کو، اپنے مقصد کی چیز، تعلیم کی چیز دیکھنا چاہتا تھا لیکن اچانک کسی غلط چیز پر نظر پڑ گئی جان بوجھ کر نہیں غلط چیز پر نظر ڈالی لیکن شاہانہ مزاج بن چکا تھا، شاہانہ انداز کا اب وہ بے چین ہے، اگرچہ اس نے عمداً دیکھا نہیں کیونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں تھا وہ کچھ اور دیکھنا چاہتا تھا جو اس کی ضرورت کی چیز تھی لیکن اچانک غلط چیز پر نظر پڑ گئی اب اس قدر وہ شاہانہ انداز کا مزاج ہے کہ وہ متاثر ہو گیا، اب بے چین ہے، یہ جب ہوتا ہے کہ جب بندہ مومن محنت کرتا ہے اور دین کے راستے پر چلتا ہے اور اپنے آپ کو سمجھا دے اپنے نفس کو سمجھا دے جو بڑا شریر ہے کہ کچھ بھی ہو دین کے راستے پر چلے بغیر میرا جینا ہی مشکل ہے پھر ہمت کرے اور اللہ سے مدد بھی مانگے اور ایسے دوست واحباب کا تعلق اختیار کر لے جو اس راستے پر چلنے والے ہوں ، دوست واحباب کا حلقہ ہوتا ہے تو اس کا اثر پڑتا ہے، اچھے دوستوں سے اٹھنا بیٹھنا رہنا سہنا ہو تو ان شاء اللہ اچھے اثرات پڑیں گے اور خدانخواستہ دوسرے مزاج کے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو تو دوسرے ہی اثرات پڑینگے۔

ایک حدیث میں ہے: الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يخالِل[1] (او کما قال) آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔ اس لئے چاہئے

---

[1] -[عن أبي هريرة:] المرءُ على دِينِ خَليلِه، فلْيَنظُرْ أحدُكم مَن يُخالِلُ.. شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٨٤١٧ • إسناده جيد • أخرجه أبو داود (٤٨٣٣)، والترمذي (٢٣٧٨)، وأحمد (٨٤١٧).

کہ پہلے جانچ لے پرکھ لے کس کو دوست بنا رہا ہے۔ جب اس کو دوست بنایا اس کے اثرات کا پڑنا ضروری ہے، اسکا اثر پڑتا رہے گا، اس لئے کسی کو بھی دوست بنانے سے پہلے سوچ لے کہ کہیں خدانخواستہ یہ ایسا دوست تو نہیں کہ جس کی دوستی پر مجھے کل قیامت کے دن کہنا پڑے گا: يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿الفرقان:۲۸﴾ کاش کہ میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، کہ اس نے تو مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا بلکہ ایسے آدمی کو اپنا دوست بنا لے کہ جس دوست کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَینَ المتَحَابِّینَ فِینا[1] کہاں ہیں میرے خاطر آپس میں دوستی کرنے والے ان کو میں اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دوں گا۔ ایسوں کو دوست نہ بنائیں جن کی دوستی کل دشمنی میں تبدیل ہو جائے۔

فرمایا: الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿زخرف:۶۷﴾ ایک دوسرے کے گہرے جگری دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے ہاں! إِلَّا الْمُتَّقِينَ سوائے اللہ سے ڈرنے والے۔ جن کی دوستی کا مدار اللہ کے ڈر پر، اللہ کے خوف پر اللہ کی محبت اللہ کے تعلق پر ہو، رہی بات تقوی والوں کی دوستی کی تو تقویٰ والوں کی دوستی دشمنی میں تبدیلی نہ ہو گی وہ وہاں کام آئے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ہر طرح کی گمراہی اور ہر طرح کے پھسلنے سے ہماری اور پوری امت کی حفاظت فرمائیں۔

---

[1] ۔[عن أبي هريرة:] إنّ اللهَ يقولُ: أين المُتحابُّون بجلالي؟ اليومَ أُظِلُّهم في ظِلّي يومَ لا ظِلَّ إلّا ظِلّي.. شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٨٤٥٥ • صحيح • أخرجه مسلم (٢٥٦٦)، وأحمد (٨٤٥٥).

روزانہ اپنا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا کریں

مومن بندے کو چاہئے کہ روزانہ اپنا معاملہ اپنے رب کے سامنے معافی کے لئے پیش کیا کرے ۔شاید ہماری زندگی کی کوئی رات یا زندگی کا کوئی دن ایسا گزرتا ہو جس میں ہم سے غفلتیں نہ ہوتی ہوں، گناہ نہ ہوتے ہوں،کوتاہیاں نہ ہوتی ہوں، اللہ تعالیٰ کی حق کی ادائیگی میں تقصیرات نہ ہوتی ہوں ، اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوقات کے ساتھ جو معاملہ ہے اس میں ہم سے غفلتیں ، کوتاہیاں ،غلطیاں سرزد نہ ہوتی ہوں۔شاید کوئی ایسا دن گزرتا ہو یا شاید کوئی رات ایسی گزرتی ہو۔اس لئے ہر روز بندہ اپنی زندگی کا ہر معاملہ معافی کے لئے پیش کیا کرے۔حتی الامکان گناہوں سے بچنے کی فکر اور کوشش ہو اور جہاں کوئی غفلت کوتاہی ہوئی تب ہی فوراً اپنا معاملہ معافی کے لئے پیش کردیں اور اگر کبھی بظاہر ایسا لگا کہ کوئی غفلت گناہ نہیں ہوا تب بھی اس طرح استغفار کرلیں:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ اَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ لَا اَعْلَمُ

جن گناہوں کو جانتا ہوں ان سے بھی توبہ اور جن گناہوں کو نہیں جانتا ان گناہوں سے بھی توبہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں۔ بلکہ انبیاء سارے معصوم اور امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان معصوموں کے بھی امام۔ لیکن دعا کیا فرمائی:

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ[1]

یا اللہ میرے اگلے بھی معاف کردے، پچھلے بھی معاف کردے، جو کچھ میں نے پوشیدہ کیا (چھپ کر کیا) وہ بھی معاف کردئے، جو کھلم کھلا اعلانیہ کیا وہ بھی معاف کیجئے اور وہ بھی معاف کیجئے جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء سے گناہ نہیں ہوتے اور پھر پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ کا خاص اعلان **لِّيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ** (فتح : ۲) اگلا پچھلا سب معاف ہے۔ اول تو ہے نہیں لیکن تسلی کے لئے سب معاف۔ تو اللہ خود اعلان کرے معافی کا باوجود اس کے کہ گناہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اس انداز سے معافی مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ اگلا بھی معاف کیجئے، پچھلے بھی معاف کیجئے، علانیہ بھی معاف کیجئے پوشیدہ بھی معاف کیجئے اور وہ جو میں نہیں جانتا آپ

---

[1]۔ [عن أبي هريرة:] اللهم اغفرْ لي ما قدمتُ وما أخرتُ، وما أسررتُ وما أعلنتُ، وما أنت أعلمُ به مني إنك أنت المقدِّمُ والمؤخِّرُ لا إله إلا أنت.

الألباني (ت ١٤٢٠)، صحيح الأدب المفرد ٥٢٢ • صحيح • أخرجه أحمد (٩٠٠٠)، والبخاري في «الأدب المفرد» (٦٧٣).

جانتے ہیں وہ بھی معاف کیجئے۔

اب ہم لوگ جو ہر اعتبار سے کسی نہ کسی کوتاہی، غفلت، ظاہری، باطنی، معاشرتی، اخلاقی ہر معاملے میں ہم قصور ہی قصور کررہے ہیں۔ اپنے قصوروں کا اعتراف ہو اور اقرار ہو اور روز اپنا معاملہ بار بار اللہ کی بارگاہ میں معافی کے لئے پیش کیا کریں۔ روز اللہ کی بارگاہ میں معافی کے لئے معاملہ پیش کیا جانا آخرت میں بہت کام آنے والی چیز ہے۔ کہ جہاں روز ہمارے گناہ جاتے ہوں (اللہ گناہوں سے بچنا مجھے بھی آپ کو بھی نصیب کریں) وہی روز ان گناہوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری معافی کی درخواست بھی پہنچ جایا کرے۔ اللہ کی بارگاہ میں معافی کی کوئی درخواست رد نہیں ہوتی۔ اللہ نے خود حکم دیا ہے معافی مانگنے کا اور معافی مانگنے کا طریقہ بھی بتلا دیا کہ جہاں کوئی غلطی ہوگئی فوراً اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں، معافی مانگے۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ ﴿آل عمران: ۱۳۵﴾ جہاں کوئی فحش کام ہوگیا، جہاں کوئی گناہ کی بات ہوگئی، فوراً اللہ یاد آگیا اور اللہ یاد آتے ہی۔

فَاسْتَغْفَرُوا فورا اللہ سے معافی مانگی۔ آگے فرماتے ہیں: وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ہے بھی کون؟ کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں کو معاف کرسکتا ہو؟ اب یہ کہ بندوں نے گناہ کئے، میری نافرمانی کی پھر میرے ہی پاس معافی مانگنے آئے، آخر جائیں گے کہاں؟ ان کا ہے کون میرے سوا؟ ہاں آگے ایک چیز اور بیان کی۔ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۔ جو کچھ ہوگیا اس پر اصرار

نہیں، اس پر جمے نہیں رہے، ڈٹے نہیں رہے، بلکہ فوراً توبہ کی ۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: " مَا أَصرَ مَنِ استَغفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً"[۱] (او کما قال) اللہ نے یہاں اصرار سے منع کیا **وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا** ۔ جو کچھ ہوگیا اس پر اصرار نہیں تو صدیق اکبر ؓ فرماتے ہیں : ما اصر من استغفر کہ جو معافی مانگتا رہا وہ اصرار کرنے والوں میں نہیں۔ نہیں اصرار کیا اس نے جس نے استغفار کیا۔ **وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً** ۔ اگر دن میں ستر بار بھی کوئی کوتاہی کی لیکن جب بھی کوتاہی کی فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگی۔ تو یہ بار بار کوتاہی کے بعد بار بار معافی مانگنے والا یہ اصرار کرنے والا نہیں۔ یہاں مراد یہ نہیں کہ دن میں ستر بار بلکہ مطلب یہ ہے کہ بار بار اس سے غلطی ہوتی رہی لیکن جب بھی غلطی ہوگئی فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار و معافی کی درخواست کی۔ ان کے لئے ہے کیا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ** یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ سب سے پہلے ان کے رب کی طرف سے معافی ہے۔ تو ان کا بدلہ (جزا) ایک تو ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ اور یہ تو چاہ ہی رہے تھے کہ بس مغفرت ہوجائے تو ہمارے لئے تو بہت کچھ ہے معاف ہونا بھی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مغفرت تو ہوگی ہی اس کے علاوہ بھی ملے گا۔ ملے گا کیا؟

---

[۱] ۔[عن أبي بكر الصديق:] ما أصرَّ منِ استغفرَ وإن عادَ في اليومِ سبعينَ مرَّةً.
ابن حجر العسقلاني (ت ۸۵۲)، تخريج مشكاة المصابيح ۴۴۸/۲ • [حسن] • أخرجه أبو داود (۱۵۱۴)، والترمذي (۳۵۵۹).

فرمایا: وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ایسی جنتیں ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اوراس کے اندر ہمیشہ رہے گا، آگے فرماتے ہیں: وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (آل عمران:۱۳۶)۔ یہ مغفرت اور یہ جنت کتنا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لئے۔ اور عمل کیا کیا؟ بندے سے غلطی ہوگئی جوں ہی غلطی ہوگئی فوراً اللہ کی پاک بارگاہ میں توبہ کی اور بار بار توبہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسے عمل کرنے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے کیا ہی بہترین بدلہ ہے۔ مغفرت بھی ہوگئی اور جنت بھی مل گئی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار اپنا ہر معاملہ اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور معافی مانگنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ ہماری ہر غفلت کو معاف کردے (آمین)۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہوں نزولِ کتاب

اللہ پاک نے جہنم اور آخرت کا عذاب واضح طریقہ پر کفار کے لئے بیان کیا اور آخرت کی ابدی راحت، اور جنت، جنت کی بے شمار نعمتیں واضح طریقہ پر متقین کے لئے بیان فرمائیں۔ تو جو بیچ کا راستہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے اسے کفروشرک سے بچا کر ہمیں ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے البتہ تقوے اور پرہیزگاری سے خدانخواستہ بندہ محروم ہے اور ایمان کی حالت میں دنیا سے چلا گیا تو اس کے لئے اول وہلہ میں جنت میں جانے کا وعدہ نہیں اور عذاب سے کلی چھٹکارا کا وعدہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ﴿النساء:۴۸﴾ شرک کے علاوہ جو گناہ ہے جس کو اللہ چاہے معاف کردے، لیکن ہر کسی کو اللہ تعالیٰ معاف کردے اور بغیر سزا کے اللہ جنت میں بھیج دے اس کا وعدہ نہیں۔ جنت اور جنت کی دائمی ابدی نعمتوں کا وعدہ اللہ پاک نے متقین کے لئے فرمایا۔ اسی طرح قرآن ہدایت ہے اور قرآن تذکرۂ نصیحت ہے اس کو بھی جگہ جگہ اللہ پاک نے متقین کے ساتھ مشروط کیا کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿البقرة:۲﴾ یہ تقوے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ اور اسی طرح ارشاد فرمایا: وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ

لِلۡمُتَّقِيۡنَ (الحاقہ:۴۸)۔کہ قرآن تذکرہ اور نصیحت ہے کس کے لئے؟متقین کے لئے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے۔

اسی واسطے بعض مرتبہ بندہ تلاوت کرتا ہے، ترجمہ پڑھتا، تفسیر پڑھتا ہے، قرآن کی واضح ہدایات اس کے سامنے آتی ہیں۔لیکن اس کے باوجود اس کو نصیحت حاصل نہیں ہوتی، ایک پارہ پڑھا، دو پارے پڑھے لیکن جیسے ایک عام کتاب کا مطالعہ چل رہا ہے تو ایسے ہی قرآن پاک کی تلاوت چل رہی ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، یعنی نصیحت حاصل کرنے کے اعتبار سے کچھ ملتا، تلاوت کرنا تو بڑی سعادت ہے، اجر ہے، نیکی ملے گی، لیکن قرآن مقدس یہ کتاب ہدایت ہے، کتاب نصیحت ہے، نصیحت کی کتاب ہے، تلاوت کے دوران اس کو کیا نصیحت حاصل ہوئی۔پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو نصیحت کرنے والے اور دو واعظ چھوڑ کر جاتا ہوں ۔ ایک واعظ ناطق اور ایک واعظ صامت یعنی خاموش واعظ موت اور بولنے والا واعظ جو ہے وہ قرآن مقدس ہے۔تو ہماری آواز میں قرآن پندرہ منٹ ایک گھنٹہ آدھہ گھنٹہ بول رہا ہے، ہم تلاوت کرر ہے ہیں تو قرآن ہی بول رہا ہے ہماری زبان سے اور ہمارے کان سن رہے ہیں آدھے گھنٹے تک مسلسل پورے آدھے گھنٹے تک قرآن کی تلاوت کی، لیکن کوئی نصیحت حاصل نہیں ہوئی۔وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ جس دل کی ضرورت ہے، جس تذکرہ کی ضرورت ہے جس تقوے کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں۔

اسی لئے طلباء کو اور ہم سب کو چاہیئے کہ جس طرح ہم نحو پر، صرف پر اور دوسرے علوم پر محنت کرنے کے بعد ترجمہ پڑھتے ہیں، تفسیریں پڑھتے ہیں، سارے

علوم وفنون پر محنت کرتے ہیں، اسی طرح مومن بندہ کو خصوصیت کے ساتھ قرآن مقدس کے طالب کو چاہئے کہ اا اپنے دل پر بھی محنت کرے۔ محض کتابوں کا مطالعہ، محض تفسروں کا مطالعہ، محض ترجمہ کا پڑھنا کافی نہیں اگر چہ اس کے بغیر تو کوئی چارہ ہی نہیں ۔قرآن پاک کو مستند اور معتبر ذرائع سے سمجھنے کی کوشش کی جائے، محنت کی جائے، یہ تو ضروری ہے طلباء آئے ہی ہیں اسی لئے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم سب لوگ اپنے دلوں پر بھی محنت کریں جب معاملہ حل ہوگا۔

اسی لئے کسی نے کہا ہے ۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف[1]

یعنی بڑی بڑی تفسیروں کو آپ پڑھ لو وہ چیز جو حاصل ہونی چاہئے قرآن مقدس سے وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ اس قرآن کا تعلق دل کے ساتھ اور دل کا تعلق قرآن کے ساتھ نہ ہو۔

میں وہ مثال عام طور پر پیش کیا کرتا ہوں کہ بجلی گھروں میں پہنچتی ہے مساجد میں ہوتی ہے مختلف جگہوں پر ہوتی ہے مختلف قسم کے بلب ہوتے ہیں کوئی زیادہ وولٹیج کا ہوتا ہے کوئی کم وولٹیج ہوتا ہے جس بلب کے اندر جتنی صلاحیت اور جتنی استطاعت ہو اسی اعتبار سے وہاں تک بجلی پہنچ جائے گی اور وہ اس اعتبار سے چمکے گا۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بلب سے لیکر اس کے سوئچ تک اور دوسرے بلب سے لیکر اس کے سوئچ تک جو تاریں ہیں وہ بالکل ایک جیسی ہیں ایک ہی دکان سے لائی گئی ایک ہی آدمی کی فٹنگ کی

۱۔علامہ اقبالؒ

ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود ایک بلب جلایا تو بس اتنا لگا کہ بجلی ہے، دوسرا جلا تو پوری مسجد روشن ہوگئی پورا کمرہ روشن ہوگیا پورا ایریا روشن ہوگیا۔ وجہ کیا ہے؟ وہ جو پہلا والا بلب ہے اس کے اندر ذرا سی استطاعت تھی، اس کی استطاعت کے مطابق اس کے پاس بجلی آئی، زیادہ آتی تو اس کے برداشت میں نہ تھی، اور دوسرے بلب میں صلاحیت واستطاعت زیادہ تھی اس میں اسی کے بقدر زیادہ روشنی آئی۔

تو جس بلب کے اندر جس قدر ہم زیادہ روشنی لانا چاہیں تو ہمیں اس بلب پر اس قدر زیادہ محنت کرنی پڑے گی اور اس میں زیادہ صلاحیت پیدا کرنی پڑے گی۔ اسی طرح قرآن مقدس کا نور ہمارے دلوں کے اندر آجائے، قرآن کے علوم ہمارے دلوں میں آجائیں اور قرآن ہمارے لئے صحیح معنی میں تذکرہ ثابت ہوجائے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں کے بلبوں پر محنت کریں، ان کی استطاعت کو بڑھا کر اور ان کے اوپر جو گناہوں کا گرد وغبار چڑھا ہوا ہے کہیں آنکھ کے راستے سے، کہیں زبان کے راستے سے، کہیں کان کے راستے سے، کہیں مشتبہ چیزوں کے راستے سے، کہیں غلط سوچ کے راستے سے، کہیں غلط تعلقات کے راستے سے وغیرہ وغیرہ۔ یہ جو گرد وغبار جا رہا ہے اور روز جا رہا ہے اس کی وجہ سے دلوں کا بلب جو ہے اس پر گرد وغبار چڑھ جاتا ہے اور بعض مرتبہ اس قدر گرد وغبار چڑھ جاتا ہے کہ بالکل بلب نظر ہی نہیں آتا اندر روشنی جل بھی رہی ہوتی ہے، بجلی بھی ہوتی ہے لیکن اتنا بھی پتہ نہیں لگتا کہ بجلی ہے بھی یا نہیں اتنا گرد وغبار چڑھ جاتا ہے۔

اسی طرح بعض گناہوں کی اتنی گندگی ان کے اوپر چھا جاتی ہے کہ لگتا ہی نہیں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے، لگتا ہی نہیں قرآن سنا جا رہا ہے۔

تو بہر حال میں عرض کر رہا تھا ایک ہے نفاق، اور کفر شرک اسکے لئے تو قطعی جہنم ہے اگر اسی حالت میں دنیا سے گیا اور دوسرا ہے تقوی، پرہیز گاری کے ساتھ زندگی گزارنے والا اس کے لئے جگہ جگہ جنت کی بشارت، جنت کی نعمتوں کی بشارتیں، آخرت کی ابدی راحت و آرام کی بشارتیں ورقرآن اس کے لئے نصیحت ہے اس کی بشارت ہے وغیرہ اور تیسرا ہے بیچ والا راستہ یعنی ایمان بغیر تقویٰ کے آدمی سوچے کہ خدانخواستہ میں اس بیچ والے راستے میں تو نہیں اور تقوے کا اصل تعلق جو ہے وہ دل سے ہے: حدیث میں آیا ہے: التقوی ھٰھنا و اَشار الی الصدر [1]

پیغمبر علیہ السلام نے اپنے قلب مبارک کیطرف اشارہ کر کے فرمایا تقوی یہاں ہے دل کے اندر تقوی ہوگا تو اب وہ تقویٰ آنکھ کے ذریعہ ظاہر ہوگا، زبان کے ذریعہ ظاہر ہوگا، کانوں کے ذریعہ ظاہر ہوگا، معاملات میں ظاہر ہوگا، اخلاق میں ظاہر ہوگا، عادات میں ظاہر ہوگا، اپنی ذمہ داریوں کے نبھانے میں ظاہر ہوگا، خرید وفروخت میں ظاہر ہوگا، کھانے پینے اور دوسرے جو مختلف شعبے ہیں اور جو مختلف گوشے ہیں ان سب سے ظاہر ہوگا، اس لئے دل پر محنت کی ضرورت ہے۔ اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائے۔

---

[1] ۔ [عن أنس بن مالك:] الإسلامُ علانيةٌ، والإيمانُ فى القلبِ، والتَّقوى هاهنا، التَّقوى هاهنا، التَّقوى هاهنا، وأشار إلى صدْرِه.. العقيلى (ت ٣٢٢)، الضعفاء الكبير ٣/٢٥٠، أخرجه أحمد (١٢٤٠٤)، وابن أبى شيبة فى »المصنف« (٣٠٩٥٥).

فرشتوں کی نگرانی کا استحضار

ایک آدمی اگر کوئی غلط کام کرنا چاہتا ہو اور وہاں کوئی دوسرا آدمی کسی کام میں لگا ہوا ہو اور اس کو اس سے کچھ لینا دینا نہیں، لیکن اس کے باوجود غلطی کرنے والا ہچکچائے گا کہ بھائی وہ موجود ہے اگرچہ وہ اپنے کام میں مشغول ہے لیکن ہوسکتا ہے وہ جان لے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ میری وجہ سے یہاں نہیں بیٹھا اس کا اپنا کام ہے اور مکمل اپنے ہی کام میں لگا ہوا ہے، اس کو میرے سے کوئی لینا دینا نہیں لیکن بہرحال ہے اسی احاطہ میں اسی جگہ پر جہاں یہ بیٹھا ہوا کسی غلط کام کو کرنا چاہتا ہے اور وہ اتنے فاصلہ پر ہے اگر اس نے ادھر دیکھ لیا تو نظر پڑ جائے گی اور اگر نظر پڑ بھی گئی تو وہ کچھ نہیں کرسکتا نہ اس کو اس سے کوئی بحث ہے۔ لیکن اس کے باوجود اثر ہے۔

اس مثال کو ذہن میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف ہم کو دھیان دینا چاہئے کہ اللہ فرماتے ہیں: اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (الانفطار: ۱۰) محافظ، نگراں، فرشتے، تم پر متعین ہیں، وہ کسی اور کام کی وجہ سے نہیں لگے ہوئے ہیں اِنَّ عَلَيْكُمْ وہ تمہارے اوپر متعین ہیں، وہ تو تمہارے لئے ہی ہیں، ان کو سب کچھ کام تمہارے ہی سے ہے۔ ان کا کام ہی تمہاری نگرانی کرنا ہے۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ۔ اور صرف وہ دیکھ ہی نہیں رہے، نگرانی ہی نہیں کر رہے، بلکہ لکھ بھی رہے ہیں ساتھ ساتھ۔ فائل تیار کر رہے ہیں اور ایک نہیں دو ہیں اور خود نہیں اللہ نے مقرر کیا ہے اور دونوں کے کام بانٹ دئے ہیں تا کہ پورے اطمینان کے ساتھ، پوری یکسوئی کے ساتھ ہر ایک اپنا اپنا

کام کرے۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْن اور جو بھی کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتے ہیں۔ یہ ہم سب کا عقیدہ ہے، لیکن ایک ہوتا ہے عقیدہ اور ایک ہوتا ہے اس عقیدہ کا اثر، ایک ہوتا ہے عقیدہ اور ایک ہے استحضار۔ عقیدہ کے ساتھ ساتھ اس کے استحضار کی ضرورت ہے۔ ایسا محسوس ہونے لگے کہ جیسے میں خود دیکھ رہا ہوں۔ جب بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کے ان نگرانوں کا صرف عقیدہ ہی نہیں بلکہ ان کی موجودگی کا، ان کی نگرانی کا، ان کے فائل تیار کرنے کا استحضار ہوگا، تو پھر کسی اور کی نگرانی کی ضرورت نہیں پڑے گی ۔نگرانی کے لئے اللہ کی طرف سے جو مقرر کردہ ہیں، لیکن کس قدر غفلت ہم سب میں درجہ بہ درجہ ہے کہ ذرا سا کوئی آدمی کہیں بیٹھا ہوا ہے وہ اپنے کام سے لگا ہوا ہے اس کو ہم سے کوئی لینا دینا نہیں، لیکن بہرحال اس کی موجودگی کو ہم محسوس کر رہے ہیں اور اس کی موجودگی کا ہم پر اثر پڑ رہا ہے، ہم بہت سارے کام ایسے کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ وہ موجود ہے حالانکہ وہ ہمارے بارے میں نہ کوئی ہم سے باز پرس کرے گا، نہ وہ کسی کے سامنے ہماری وہ بات کرے گا نہ اس کو ہم سے کوئی لینا دینا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی موجودگی کا اثر یہ ہے کہ بہت سے ایسے کام جن کے کرنے کو ہم آمادہ تھے جی چاہ رہا تھا اور سارے اسباب موجود تھے اس کام کے کرنے کے لیکن اس کی موجودگی کا اثر پڑا ہم نے ان کاموں کو چھوڑ دیا۔

تو کیا وجہ ہے اللہ نے خود نگراں مقرر کئے ہیں، ایک کو نہیں بلکہ دو دو کو مقرر کیا اور بس ان کا کام ہی ہے مجھے اور آپ کو دیکھنا اور نگرانی کرنا اور ہر وقت ساتھ لگے ہیں اور دونوں کا کام تقسیم ہے کہ تمہارا یہ کام کہ اچھائی لکھتے رہو اور تمہارا یہ کام کہ برائیاں لکھتے رہو اور فائلیں تیار ہو رہی ہیں۔ اور ادھر اللہ فرما رہے ہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے ہر ایک کو اس کی فائل یہ کہہ کر دی جائے گی کہ اِقْرَءْ كِتَابَكَ پڑھ لے اپنی فائل۔ کیسی فائل؟ کہ مجرم دیکھ کر کہے گا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ عجیب کتاب ہے لَا

يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا کوئی بڑے سے بڑا عمل ہو یا کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل ہواس نے تو کسی کو چھوڑا ہی نہیں اور اللہ خود فرماتے ہیں وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (کھف: ۴۹) جو کچھ اس نے کیا ہے سب اس میں موجود پائیں گے۔

ضرورت ہے کہ اس عقیدے کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں بیدار رکھا جائے، اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ان نگرانوں کی نگرانی کا استحضار ہو، ان کے فائل تیار کرنے کا استحضار ہو اور وہ رات دن بس اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں ان کو کسی سے کوئی لینا دینا نہیں وہ ایسے نگران ہیں وہ کبھی غافل ہوتے ہی نہیں نہ ان کو کھانے کی ضرورت نہ پینے کی ضرورت نہ ان کے بیوی بچے نہ آرام کی ضرورت کچھ بھی نہیں بس اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی شان لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وہ احکام خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿التحریم: ۶﴾ اور جو ان کو حکم دیا گیا وہی کرتے ہیں کہ اس کی نگرانی کرو، اس کے دیکھنے کی نگرانی، بولنے کی نگرانی، سننے کی نگرانی، چلنے کی نگرانی، کمائی کی نگرانی، خرچ کی نگرانی، معاملات کی نگرانی، عبادات کی نگرانی، معاشرت کی نگرانی، تعلقات کی نگرانی، موبائل اور انٹرنیٹ کے استعمال کی نگرانی، بحیثیت معلم اس کی نگرانی، باعتبار متعلم اس کی نگرانی، بڑا ہے اس حیثیت سے نگرانی، چھوٹا ہے اس حیثیت سے نگرانی وغیرہ وغیرہ ان چیزوں کے استحضار کی ضرورت ہے مجھے بھی آپ حضرات کو بھی۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی استحضار نصیب فرمائے آپ حضرات کو بھی اور اس استحضار کے جو اثرات ایک مومن بندے کی زندگی میں پڑنے چاہئیں اللہ تعالیٰ وہ اثرات میرے اندر بھی پیدا فرمائیں آپ حضرات کے اندر بھی پیدا فرمائیں ساری امت کے اندر پیدا فرمائیں۔آمین۔

خالق کائنات کی بات کا وزن

دنیا میں ہر فرد کی بات کا وزن اس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے ایک عام آدمی کوئی بات کہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اس کا کوئی زیادہ وزن نہیں ہوتا۔ ذرا بڑا کوئی آدمی بات کہہ دے اس کی اپنی ایک اہمیت اور اس کا اپنا ایک وزن ہوتا ہے۔ اب جس قدر انسان بڑا ہو، جس قدر انسان کی اہمیت ہو، اسی اعتبار سے اس کی بات کی اہمیت اور اس کی بات کا بھی وزن ہوتا ہے، اب اگر وہ دنیاوی اعتبار سے بڑا ہے، دنیاوی اعتبار سے وہ کوئی اہم آدمی ہے تو دنیاوی اعتبار سے اس کی بات کی اہمیت اور اس کی بات کا وزن ہوگا اور دنیا داروں میں زیادہ ہوگا۔ اور اگر وہ کوئی دینی شخصیت ہے، دینی اعتبار سے اس کا اپنا ایک وزن ہے، اس کی اپنی ایک حیثیت ہے، تو پھر دینی حلقوں اور دین داروں اور ایمان والوں کے اندر اس کی بات کی اہمیت اس کی بات کا وزن اور اس کی بات کی حیثیت ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کی بات کی اتنی اہمیت اور اتنا وزن ہوتا ہے کہ ہزاروں آدمیوں کی بات پر اس کی بات کو زیادہ بھاری سمجھا جاتا ہے زیادہ اہم اور زیادہ وزنی سمجھا جاتا ہے اور اس ایک آدمی کی بات کے مقابلے میں ہزاروں آدمیوں کی بات کو ترک کیا جاتا ہے اور اس کی بات کو اہمیت دی جاتی ہے۔

جب انسانوں میں یہ ہے، تو جو رب العالمین بھی ہے جس کی شان اللہ اکبر

ہے، جو سب سے بڑھ کر ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، تمام بڑوں کی بڑائی اس کی بڑائی کے مقابلے میں بڑائی نہیں ۔ اپنے اعتبار سے کوئی کتنا بڑا ہو لیکن اللہ کی بڑائی کے مقابلے میں ساری بڑائیاں مل کر اس کی بڑائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ تو جب وہ سب سے بڑے ہیں اور ہر اعتبار سے بڑے ہیں، تو ان کی بات کی اہمیت ان کی بات کا وزن اس کا پوچھنا ہی کیا۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے جو اس کی بڑائی کے قائل ہیں، اس کی قدرت کو مانتے ہیں، اس کی حیثیت کو مانتے ہیں اس کے علم کو مانتے ہیں، اس کی شان کن فیکون کو مانتے ہیں اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ ہمیں اس کے سامنے جانا ہے، اور اُس نے جو باتیں کہیں ہیں ہم نے کتنا اس پر خود عمل کیا، اس کی بارگاہ میں جوابدہ ہونا ہے۔

تو بہر حال اللہ تعالیٰ کی باتیں سب سے بڑی، ان کی اپنی حیثیت ہے، ان کا اپنا وزن ہے، ہمیں عملاً بھی اس کی اہمیت اور اس کے وزن کو سمجھنا اور اپنانا چاہئے ۔ اللہ کی باتیں بڑی ہیں اللہ کی ان بڑی باتوں میں سے کیا کیا ہیں۔

ایک تو فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿الحجرات: ۱۱﴾ دیکھو ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر استہزا مت کرو ہو سکتا ہے جن کا تم تمسخر کرتے ہو وہ اللہ کے یہاں تم سے زیادہ بڑے ہوں، اچھے ہوں، بہتر ہوں،

وَلَا تَلۡمِزُوا أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوا بِالۡأَلۡقَابِ ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارا کرو جس کو کشمیری میں ''رژھ'' کہتے ہیں، اور آگے ایک اہم بات فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجۡتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ إِثۡمٌ ۖ

(الحجرات)

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے سے بدگمانی سے بچا کرو اس لئے کہ اکثر گمان گناہ ہوتے ہیں، اور فرمایا: وَلَا يَغۡتَب بَّعۡضُكُم بَعۡضًا ۚ دیکھو دوسرے کی غیبت مت کیا کرو اور کیا فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوا ایک دوسرے کے تجسس میں عیوب اور خامیوں کی تلاش میں مت پڑو۔ یہ باتیں اتنی اہم ہیں کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں کہلوایا (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی اہمیت بیان کی) بلکہ اللہ نے ان چیزوں سے بچنے کا خود حکم دیا کہ ان چیزوں سے بچنا کس قدر اہم ہے، لیکن جب ہم اپنے معاشرے میں نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اتنی عام ہوگئی شاید دو تین فیصد پانچ فیصد دس فیصد مان لیجئے اللہ کے بندے ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ان منع کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں ورنہ ہم سب جن کو لوگ دیندار بھی سمجھتے ہیں اور ہمارا دین کے ساتھ (الحمدللہ) عملی تعلق بھی ہے لیکن اس کے باوجود غیبت اتنی عام ہوگئی ہے کہ ہم جیسے بھی بعض مرتبہ کرجاتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے کوئی گناہ کبیرہ کیا ہے، بدگمانی ہوئی احساس بھی نہیں، ایک بات کسی کے بارے میں معلوم ہوگئی بس کھود کرید شروع کردی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا: ایک تو بدگمانی سے بچو۔ اجۡتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ إِثۡمٌ ۖ کہ بعض

گمان غلط ہوتے ہیں، تمہیں کسی کے بارے میں گمان ہو گیا ہوسکتا ہے وہ غلط ہو، اس لئے بدگمانی مت کرو۔اب اس کی ایک صورت تھی کہ میں ذرا تحقیق کرلوں۔ وَلَا تَجَسَّسُوا یہاں تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں، تم تھوڑے ہی ٹھیکہ دار ہو، ہاں کوئی ذمہ دار ہو کسی سے متعلق کوئی کام ہو تو وہ الگ معاملہ ہے، لیکن بلا وجہ کسی کے عیوب کی تلاش میں اور: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا دیکھو ایک دوسرے کی غیبت بھی مت کرو ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارو اتنی اہم بات ہے خالق کائنات کی طرف سے اپنے بندوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ مت کرو، یہ مت کرو یہ، یہ مت کرو، اور ہمیں بعض مرتبہ دن میں دسیوں بار اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے لیکن یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے کوئی نافرمانی کوئی گناہ کیا۔

تو کسی بھی انسان کی بات کا وزن اس کی اہمیت اس بات کرنے والے کے وزن اس کی حیثیت اس کی اہمیت کے مطابق ہوتا ہے تو خالق کی عظمت اس کی بڑائی اس کی کبریائی اس کی عظمت شان اس کا کہنا ہی کیا تو اس لئے اُن کی اِن منع کردہ باتوں سے ہم سب کو خود کو روکنا چاہئے اور جہاں کوئی اس طرح کی غیبت کرنے لگا ہمارے سامنے قدرت ہو تو روک دو نہیں تو وہاں سے چلے جائیں۔بدگمانی سے اپنے آپ کو بچائیں، اپنی خامیوں کی تلاش میں رہیں اور دوسرے کی خوبیوں کی تلاش کریں تاکہ ان کو اپنائیں اور اپنی خامیوں کو دور کرنے کی فکر کریں۔لیکن معاملہ بعض مرتبہ الٹا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ حضرات کو بھی اور ساری امت کو بدگمانی بدزبانی غیبت اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

اللہ پاک نے قرآن مقدس میں کفار اوران کے آخری انجام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا، اسی طرح ایمان والوں کی عظیم صفات کو، عظیم خصوصیات کو بیان کیا اور ان کے آخری انجام کو بھی تفصیل سے بیان کیا اور کہیں کہیں اللہ نے خلاصہ کے طور پر بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿نبا: ٣١﴾ کہ بس یقیناً صرف متقین کے لئے ہی کامیابی ہے۔ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿المرسلات: ٤١﴾ یقیناً متقین سایوں میں اور چشموں میں اور طرح طرح کی عظیم نعمتوں میں ہونگے۔ یہاں ایمان والوں کی جو صفات ہیں ان کا خلاصہ بیان کیا ہے ''تقویٰ'' اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کے صفات میں جہاں: وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿الفرقان: ٦٣﴾ وغیرہ وغیرہ ان ایات میں ایمان والوں کی صفات بیان کی۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (المؤمنون:١) اس میں بھی بہت سی صفات کو بیان کیا۔ اسی طرح دوسری آیات میں، تو وہی اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کی صفات کو بطور خلاصہ بس دو جملوں میں بیان کیا۔ فرمایا:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿یونس: ٦٢﴾

اولیاء اللہ نہ ان کے لئے کوئی خوف ہوگا نہ غم ہوگا۔

وہ اولیاء اللہ ہیں کون؟ وہ اللہ کے پیارے، اللہ کے چہیتے، اللہ کے چاہنے والے ہیں کون؟ بس دو باتیں بیان کی، الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿یونس: ۶۳﴾ وہ اللہ کے پیارے، وہ اللہ کے چہیتے، وہ اللہ کو چاہنے والے، وہ خاصان خدا، ہیں کون؟

فرمایا: وہ وہ ہیں: الَّذِينَ آمَنُوا جو ایمان لائے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ ہم سب ایمان والے ہیں اللہ تعالیٰ اس ایمان کو ہمیشہ قائم رکھے بڑھاتا رہے، ایمان کامل پر زندہ رکھے اور ایمان کامل پر موت عطا کرے، اور ایمان کامل والوں کے ساتھ ہمارا حشر کرے۔

تو پہلی چیز بیان کی: الَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے اور دوسری صفت ان کی کیا بیان کی وَكَانُوا يَتَّقُونَ اور وہ اللہ سے برابر ڈرتے رہے۔ طلباء جانتے ہیں کہ وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۔ یہ ماضی استمراری ہے اس میں تسلسل دوام اور ہمیشگی، ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اللہ سے ڈرنا اصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اللہ کے لئے اللہ کی نافرمانی سے بچے، گناہوں سے بچے، اصل ڈرنا تو یہ ہے۔ لیکن بندہ بشر ہے غلطی ہوگئی اب ڈرنا یہ ہے کہ بس بے چین ہوجائے فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے یہ بھی تقوی کا حصہ ہے یہ بھی اللہ سے ڈرنا ہے۔ کہ آدمی گناہ کرتا جارہا ہے۔ اور کوئی ڈر نہیں کوئی پریشانی نہیں کوئی فکر نہیں اور دوسرے بندے سے جہاں گناہ ہوگیا، جہاں غلطی ہوگئی، بس بے چین بے قراری، پریشانی، اللہ کی بارگاہ میں رونا، گڑگڑانا، توبہ استغفار یہ بھی تو اللہ ہی کا ڈر ہے۔ تو

اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ، کامیابی کے لئے تقوی کو مدار قرار دیا ہے۔ اسی لئے جگہ جگہ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ ﴿آل عمران: ۱۰۲﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈور جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴿الحشر: ۱۸﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر کوئی سوچے کل کے لئے آگے کیا بھیجا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿الأحزاب: ۷۰﴾ اے ایمان والو درست بات کرو۔

جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے ڈرنے کا حکم دیا، تقوے کا حکم دیا پرہیز گاری کا حکم دیا۔ اب ہر بندہ اپنے بارے میں سوچے کہ میرے اندر کس قدر تقویٰ ہے، کس قدر خوف خدا ہے، کس قدر میں اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہوں، اور اگر کبھی خدانخواستہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی، کوتاہی ہوگئی، تو کتنا اللہ کا ڈر اس وقت مجھ پر غالب آجاتا ہے اور کتنا میں توبہ کے لئے مجبور ہوجاتا ہوں۔ بار بار بندہ سوچتا رہے، سوچتا رہے۔ اللہ مجھے بھی تقویٰ اور پرہیز گاری نصیب کرے آپ حضرات کو بھی اور پوری امت کو بھی۔

زندگی کا سرمایہ ختم ہوتا جارہا ہے

اللہ تعالیٰ نے جو عظیم زندگی کا سرمایہ عطا کیا ہے، یہ زندگی کا سرمایہ دن بدن ختم ہوتا جارہا ہے، کل سے فجر کی نماز سے اس وقت تک میری اور آپ کی زندگی کے چوبیس گھنٹے ختم ہو گئے، اسی طرح روز یہ سلسلہ ختم ہوتا جارہا ہے، اور ہماری زندگی کم ہوتی جارہی ہے، اس زندگی میں ہم کو جو کچھ حاصل کرنا چاہئے وہ کیا ہے اور کتنا حاصل کر چکے ہیں اور کتنا باقی ہے، اور اس زندگی میں سے کن کاموں سے بچنا چاہئے تھا، کس قدر بچ چکے ہیں اور کہاں کہاں نہیں بچے، ایک تو اس کی بہت زیادہ فکر مجھے اور آپ سب کو کرنی چاہئے، اور دوسری چیز زندگی کا مقصد، جینے کا مقصد وہ رب العالمین نے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿الأنعام: ١٦٢﴾ کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے، تو ہمارا جینا یہ رب العالمین کے لئے ہے۔ رب العالمین کے پانے کے لئے، رب العالمین کی رضا کے لئے، رب العالمین کی خوشنودی کے لئے

رب العالمین کو پہچاننے کے لئے، رب العالمین کے ساتھ اپنے تعلق کو مستحکم کرنے کے لئے، پھر رب العالمین کو پانے کے لئے ہم کو کیا کرنا چاہئے تھا اور کر رہے ہیں کہ نہیں کر رہے ہر ایک چیز کے بارے میں آدمی بار بار سوچتا رہے۔ اگر رب العالمین

مل گیا تو سب کچھ مل گیا من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا ہو گیا جس کو اللہ کے لئے جینا آ گیا سب کچھ اس کو مل گیا۔ اللہ کی معرفت بہت بڑی چیز ہے، پوری زندگی ایمان والا بندہ روز بروز اللہ کی معرفت میں اللہ کی پہنچان میں اللہ کے تعلق میں بڑھتا رہے بڑھتا رہے وہ رب العامین کی ذات کا پانا رب العالمین کا تعلق رب العالمین کی معرفت، رب العالمین کی رضا، رب العالمین کی خوشنودی کیا فرمایا: کہ میرا جینا اللہ کے لئے اور پھر میرا مرنا بھی اللہ ہی کے لئے ہے فرمایا کما تحیون تموتون جیسے جیو گے تو ویسے ہی موت آئے گی۔ اللہ کے لئے جیو گے اللہ کے لئے مرنا نصیب ہوگا۔ اس لئے ہم بار بار اپنی زندگیوں کا محاسبہ کریں، بار بار سوچیں بار بار سوچیں کہ ہماری زندگی دن بدن ختم ہوتی جارہی ہے۔ اس زندگی کو کھو کر میں پا کیا رہا ہوں؟ اس لئے کہ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ اور ہم حدیث پاک بار بار سنتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو سب سے پہلا سوال زندگی کا ہوگا۔ عن عمرہ فیما افنیتہ[1]۔ زندگی کہاں ختم کر کے آئے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے (اللہ ہمیں ان میں شامل فرمائے) جن کی پوری زندگی اللہ کی طلب میں، اللہ کی معرفت کے حاصل کرنے میں گزری اللہ کی رضا میں گذری۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا کریں۔ تو بار بار انسان اپنی زندگیوں کا محاسبہ کریں۔ اللہ مجھے بھی اپنی زندگی کے محاسبہ کی بار بار توفیق عطا فرمائے۔ آپ حضرات کو بھی پوری امت کو بھی۔

اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیرا سبحان اللہ بکرۃً و اصیلا۔

---

[1]۔ [عن أبي برزة الأسلمي نضلة بن عبيد:] لا تزول قدما عبدٍ حتى يُسألَ عن عُمُرِهِ فيما أفناهُ، وعن علمِه فيما فعل، وعن مالِه من أين اكتسَبه وفيما أنفقَه، وعن جسمِه فيما أبلاهُ.
الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٢٤١٧ • حسن صحيح • أخرجه الترمذي (٢٤١٧)، والدارمي (٥٣٧) باختلاف يسير، والبيهقي في »المدخل إلى السنن الكبرى« (٤٩٤).

اپنا محاسبہ کیجئے

قرآن مقدس میں اور امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ارشادت کے اندر قیامت اور آخرت وغیرہ کے جو احوال بیان کئے ہیں، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کا اثر ہماری پوری زندگی پر حاوی رہنا چاہئے، ہمارے چلنے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، بولنے میں، سننے ہر چیز میں، لیکن اکثر و بیشتر ایسا لگتا نہیں۔

امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:[1] کہ جب آدمی کے لئے قیامت کا دن ہوگا آخرت کا معاملہ ہوگا تو جب دائیں دیکھے گا تو سوائے ان اعمال کے جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کچھ اس کو نظر نہیں آئے گا، اچھے ہوں یا برے۔ بائیں دیکھے گا تو یہی حال، پیچھے دیکھے گا تو یہی ہے۔ آگے دیکھے گا تو جہنم کی آگ اس کا استقبال کرے گی۔ اور فرمایا بچاؤ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے اگر چہ کھجور کا ٹکڑا ہی صدقہ دیکر کیوں نہ ہو۔ ہم اپنی آنکھوں کے ذریعہ،

---

[1]۔ عن عدی بن حاتم الطائی: [ما مِنكم من رجلٍ إلاَّ سيُكلِّمُه ربُّه يومَ القيامةِ وليس بينَه وبينَه تُرجمانٌ. فينظرُ أيمنَ منه فلا يرى شيئًا إلاَّ شيئًا قدَّمَه، ثمَّ ينظرُ أشأمَ منه فلا يرى شيئًا إلاَّ شيئًا قدَّمَه، ثمَّ ينظرُ تلقاءَ وجهِه فتستقبلُه النّارُ. قالَ رسولُ اللهِ ﷺ: فمن استطاعَ منكم أن يقِيَ وجهَه حرَّ النّارِ ولو بشقِّ تمرةٍ فليفعَلْ.

الألبانی (ت ١٤٢٠)، صحيح الترمذی ٢٤١٥ • صحيح • أخرجه البخاری (٧٥١٢)، ومسلم (١٠١٦)، والترمذی (٢٤١٥) واللفظ له، وابن ماجه (١٨٥)، وأحمد (١٨٢٤٦).

کانوں کے ذریعہ، زبان کے ذریعہ، دل و دماغ کے ذریعہ وغیرہ جو کچھ آگے بھیج رہے ہیں[۱]، اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ سوچو۔ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (حشر : ۱۸) ہر کوئی سوچے کیا بھیجا ہے، اب ہمارا اکثر و بیشتر معاملہ ہوتا ہے کہ نماز کے اندر حالانکہ نماز جس درجہ کی اور جس انداز کی ہونی چاہئے وہ ہے نہیں لیکن صرف نماز ہی کا معاملہ نہیں، نماز اہم ترین فریضہ ہے ایمان کے بعد۔ لیکن ہم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ اتنے سالوں سے میری آنکھ دیکھ رہی ہے، اتنے سالوں سے میری آنکھوں کا دیکھا ہوا سب آگے جا چکا ہے، جو کچھ میں نے اپنی آنکھ سے اب تک دیکھا ہے جب وہ میرے سامنے آئے گا تو اس دیکھنے سے مجھے خوشی ہوگی یا خدانخواستہ معاملہ کچھ اور ہوگا۔

کتنے سال مجھے کانوں سے سنتے ہوئے ہوگئے، جو کچھ میں نے کانوں سے سنا اچھا یا برا، ہمارے سامنے وہ سارا آنے والا ہے۔ کتنے سال سے یہ زبان چل رہی ہے اور مسلسل چل رہی ہے، اس زبان سے جو کچھ میں نے آج تک بولا ہے، وہ سارا محفوظ ہے، اور ایک وقت آئے گا یہ سارا زبان کا بولا ہوا ہر بول میرے سامنے آئے گا مَا يَلۡفِظُ مِن قَوۡلٍ إِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿ق: ۱۸﴾ بہت اہم معاملہ ہے زبان کا، اور زبان سے کہی ہوئی باتوں کا۔ بہت اہم معاملہ ہے۔

یہ دل و دماغ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دیا، اس سے کیا کیا اچھے یا برے ارادے کئے، کیا کیا اچھا یا برا سوچا سارا آنے والا ہے سامنے ہاتھ اللہ پاک نے دیئے کس قدر اللہ کی عظیم نعمت ہے، ان ہاتھوں سے کیا کچھ کیا، قرآن نے ہاتھوں

کا خاص تذکرہ کیا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (نبا:۳۰) دیکھے گا آدمی اس کے ہاتھوں نے آگے کیا بھیجا تھا، تو اللہ پاک نے دولت دی، یہ دولت آئی کہاں سے؟، اور آنے کے بعد گئی کہاں،؟ اور یہ جو اللہ پاک نے علم کی عظیم دولت دی تھی عظیم نعمت دی تھی اس کے مطابق عمل کیا کیا؟ یہ ساری چیزیں ہر مومن بندے کو سوچنے کی ہیں اور بغیر سوچے چارہ ہی نہیں، اللہ خود دعوت دے رہے ہیں حکم دے رہے ہیں سوچنے کا۔ لیکن اکثر و بیشتر ہم سے سوچا نہیں جاتا، جس دن سوچنا شروع کریں گے، تو ان شاء اللہ ہمارے زندگی پر اس سوچ کے فوراً اثرات مرتب ہونے شروع ہو جائیں گے۔

ہم نے امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث پڑھی ہے پڑھائی ہے سنتے ہیں سناتے ہیں، فرمایا: لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا[1] اللہ کے بندو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانوں بہت زیادہ روو اور بہت کم ہنسو اور اپنے بیویوں کے پاس لطف اندوز ہونا بھول جاؤ گے اور دیوانوں کی طرح پہاڑوں کی طرف رخ کرو گے اور اللہ کی پناہ چاہو گے، اللہ سے آہ وزاری اور اللہ کی فریاد کرتے ہوئے۔ بہت زیادہ کٹھن معاملہ ہے آخرت کا بہت زیادہ۔ جہنم کی آگ کے بارے میں پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے، کہ میں نے جہنم جیسی چیز نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والا سو گیا اور نہ

---

[1] ۔[عن أنس بن مالك:] لو تَعلَمونَ ما أعلَمُ، لضَحِكتُم قليلًا، ولَبَكَيتُم كثيرًا.
شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ١٣٨٣٦ • إسناده صحيح على شرط الشيخين • أخرجه البخاري (٦٤٨٦) واللفظ له، ومسلم (٢٣٥٩).

جنت جیسی چیز دیکھی جسکا طالب سوگیا[1]۔ اس لئے ہر وقت اس کو یہ لگن ہو یہ دھن ہو اور یہی فکر اس کے اوپر ہر وقت سوار ہو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ مجھے جہنم کی آگ سے بچائے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام جنت مجھے مل جاوئے ۔ یہ دنیا چند روزہ زندگی ہے ہر ایک چیز یہیں رہے گی لیکن اصل معاملہ آخرت کا ہے، مومن بندہ کا اصل معاملہ، اور مومن بندہ جو اس دنیا میں آیا ہے اپنی آخرت کو بنانے کے لئے آیا ہے، دنیا میں بھی اگر کچھ کرے گا، کمانے کی نیت سے،تو وہ بھی اپنی آخرت کی زندگی کو بنانے کے لئے ہو، ورنہ تو وبال ہے۔

ہم سب کو چاہئے کہ کچھ وقت نکال کر تنہائی میں، اپنی آخرت کے بارے میں سوچیں، اس کو محاسبہ کہا جاتا ہے، حاسبو قبل ان تحاسبو [2]اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی یہ چیزیں عطا کریں اور آپ حضرات کو بھی ،اللہ میری غفلت کو بھی دور کرے، آپ حضرات کی غفلت کو بھی دور کرے، ساری امت کی غفلت کو دور کرے۔ (آمین)

---

[1] ۔ [عن أبي هريرة:] ما رأيتُ مثلَ النّارِ نامَ هارِبُها، ولا مثلَ الجنَّةِ نامَ طالِبُها.
المنذری (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ٣٣٣/٤ ، أخرجه الترمذی (٢٦٠١) واللفظ له، والبزار (٩٤١٩)، وابن عدی فی »الکامل فی الضعفاء« (٢٠٣/٧).

[2] ۔ - [عن ثابت بن الحجاج:] قال عمرُ بنُ الخطّابِ ﷺ: حاسِبوا أنفسَكم قبل أن تُحاسَبوا، وزِنوا أنفسَكم قبل أن تُوزنوا، فإنّه أخفُّ عليكم فی الحسابِ غدًا أن تُحاسِبوا أنفسَكم اليومَ وتزيَّنوا للعَرضِ الأكبرِ، كذا الأكبر {يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لا تَخْفَى مِنكُمْ خَافِيَةٌ}.
ابن كثير (ت ٧٧٤)، مسند الفاروق ٦١٨/٢، أخرجه أحمد فی »الزهد« (٦٣٣)، وابن أبی الدنيا فی »محاسبة النفس« (٢).

آخری انجام پر نظر

مومن بندہ ہمیشہ اپنے آخری انجام پر نظر رکھے اور آخری انجام کس کا کب سے شروع ہوتا ہے آدمی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے، موت کا وقت کون سا کس کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں طے شدہ ہے لیکن بندہ کو معلوم نہیں، اس لئے ہر وقت آدمی اپنے آخری انجام کو مد نظر رکھ کر اپنی زندگی کی ترتیب بنالے لیکن اس سلسلے میں اکثر و بیشتر غفلت کا معاملہ رہتا ہے۔

آدمی اپنی نماز کو سوچے اور بار بار سوچے کہ میں نماز میں کس قدر پابندی کرتا ہوں اور آیا میری نمازیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جانے کے لائق ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان بہت عظیم ہے، اللہ کی شایان شان کون دعوی کرسکتا ہے، البتہ یہ سوچے کہ میں نے اپنی طرف سے نماز کو ٹھیک طریقہ سے ادا کرنے کو پوری کوشش کی یا نہیں اگر بندے نے پوری کوشش کی تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ آگے کا معاملہ اللہ تعالیٰ خود آسان فرمائے گا۔

آدمی اپنے عقائد پر نظر دوڑائے، اپنی عبادت چاہے نماز ہو، تلاوت ہو ، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، ذکر بہت عظیم عبادت ہے اور بندہ کو مکلف بنایا گیا۔۔ اس سلسلے میں بہت غفلت ہے بہت غفلت ہے۔

پیغمبر کریم کو حکم فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (دھر) صبح شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں، وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا [المزمل: 8] راتوں کو اٹھ کر اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں اور ہر طرف سے کٹ کر ہٹ کر اور اللہ تعالیٰ کے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں۔

مومن بندوں کے لئے فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا "بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں۔

فرمایا: إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔۔ اخیر کے اندر جو مومنین کی صفات اور مومنات کی صفات بیان کی اور اخیر میں ذکر کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ بہت زیادہ ذکر کرنے والے مرد اور بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ اس سلسلے میں آج ہر مومن بندہ اپنا محاسبہ کرے، تھوڑا بہت ذکر تو منافقوں کا مسئلہ ہے۔ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿النساء: ۱۴۲﴾ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت کم کرتے ہیں، مومن بندہ کثرت ذکر کا اہتمام رکھے۔

اپنے معاملات کو دیکھیں، اپنی معاشرت کو دیکھیں، اپنے اخلاق کو دیکھیں، اور اپنی اندرون کا معاملہ دیکھیں، اخلاص کو دیکھیں، تواضع کو دیکھیں، اللہ کی محبت کو دیکھیں، ایثار کو دیکھیں، اور اس کے برعکس، تکبر کے کینسر پر نظر رکھیں، ریا کے کینسر پر، حسد کے کینسر پر، حب جاہ کے کینسر پر، یہ سارے باطنی کینسر ہیں، ان پر نظر رکھیں، بعض مرتبہ اندر کوئی ایسا کینسر موجود ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بچائے اللہ بچائے، سارا کیا کرایا ضائع اور رائیگاں ہوتا ہے،

حدیث میں آیا ہے پڑھتے پڑھاتے ہیں: کہ تین طرح کے لوگوں کو سب سے پہلے جہنم میں جانے کا حکم دیا جائے گا[1]، اعمال ان کے بڑے ہی اچھے، قابل رشک ہونگے۔ لیکن معاملہ کیا تھا اندر جو ہے حب جاہ اور ریا کا کینسر موجود تھا۔ اور ریا کے کینسر اور حب جاہ کے کینسر نے عظیم کاموں کے باوجود اس کا سارا کیا کرایا ضائع اور رائیگان کر دیا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا حکم ہے۔

اس لئے مومن بندہ ہمیشہ اپنے آخری انجام پر نظر رکھے اور جس دن میں جو کچھ اپنی مافات کی تلافی کر سکتا ہے فوراً کرے۔ اس میں غفلت نہیں اور آئندہ کے لئے جو کچھ بہتر سے بہتر کر سکتا ہے وہ کرے۔ دو چیزیں ہیں، ایک تو مافات کی تلافی ہر اعتبار سے آدمی اپنا محاسبہ کرتا رہے اور ایک ہے اپنی موجودہ زندگی اور آئندہ کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرنا اس کی فکر کرنا اس کے لئے تدبیریں کرنا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے رو رو کے مانگنا، جب مومن بندہ فکر کرے گا اور اپنی سعی میں اور اپنی حیثیت کے بقدر کوشش میں لگا رہا اللہ تعالیٰ کی

---

[1] ۔وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلم: »إن أول النَّاس يقْضى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أمر بِهِ فسحب على وَجهه حَتَّى ألقِي فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعلم ليقال عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ -[72]- نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ«. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

طرف سے وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا کام آسان کریں گے۔لیکن اگر بندہ نے قدم ہی نہیں اٹھایا، بندہ قدم اٹھا کر دیکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ میرا بندہ جب میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اپنے بندہ کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، بندہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ایک باع بڑھتا ہوں بندہ چل کر آتا ہے میں دوڑ کر آتا ہوں[1]۔

اب بندہ چلتا ہی نہیں، جہاں دس سال پہلے کھڑا تھا، پندرہ سال پہلے کھڑا تھا، جس دن بالغ ہوا، اس دن کھڑا تھا، جس دن میں مدرسہ میں داخلہ لیا ہوا اس دن کھڑا تھا جس دن مدرسہ سے فارغ ہوا بس وہیں کا وہیں کھڑا ہے، آگے بڑھا ہی نہیں، اور بڑھے گا کیسے؟ جب آگے بڑھنے کی کوشش نہیں فکر نہیں طلب نہیں، تڑپ نہیں تو بڑھے گا کیسے آدمی؟ اور اصل آگے بڑھنا یہی ہے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں آگے بڑھنا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اللہ کی رضا میں آگے بڑھنا، تقوے اور پرہیزگاری میں آگے بڑھنا، اللہ تعالیٰ کی یاد میں آگے بڑھنا، اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے میں آگے بڑھنا، اصل آگے

---

[1]-[عن أنس بن مالك:] يقولُ اللهُ: أنا عند ظنِّ عبدِي بِي، وأنا مَعَه إذا ذكَرَنِي، فإنْ ذكَرَنِي في نفسِه ذكرتُه في نفسِي، وإنْ ذكَرَنِي في ملأٍ ذكرتُه في ملأٍ خيرٍ مِنهم، وإنْ تقرَّبَ إليَّ شِبرًا تقرَّبْتُ إليه ذِراعًا، وإنْ تقرَّبَ إليَّ ذِراعًا تقرَّبتُ إليه باعًا، وإنْ أتانِي يمشِي أتيتُه هرولةً. قال قتادةُ واللهُ أسرعُ بالمغفرةِ.

الألباني (ت ١٤٢٠)، صحيح الترغيب ١٤٨٨ • صحيح • أخرجه البخاري (٧٤٠٥)، ومسلم (٢٦٧٥).

بڑھنا یہ ہے، آدمی مال میں آگے بڑھا، بزنس میں آگے بڑھا، شہرت میں آگے بڑھا، عہدے اور منصب میں آگے بڑھا اس آگے بڑھنے کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کے اخلاص میں ، تواضع میں، ایثار میں، نمازوں میں، تلاوت میں، اللہ کے ذکر میں اور آخرت کی فکر میں اور تقوی میں اور پرہیز گاری میں آگے بڑھنے کی حیثیت جس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر و قیمت ہے۔

ہمارا معاملہ برعکس ہے اور چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر لگی ہے۔ لیکن جو اصل چیز ہے آگے بڑھنے کی جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا: **وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿المطففين: ٢٦﴾** ۔ اور خود حکم دیا: " **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ** " سبقت حاصل کرو خیرات میں، خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو فکر کرو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ میرے اندر بھی آپ حضرات کے اندر بھی یہ جذبہ پیدا فرمائے اور اس سلسلے میں ہمارے اندر جو غفلت پائی جارہی ہے جو بے حسی پائی جارہی ہے، اللہ اپنی عظیم قدرت کے صدقے ہماری اس بے حسی کو دور کردے، اللہ ہم کو صحیح احساس دے دے۔ آمین۔

تقویٰ کا میدان

انسان جس میدان میں بھی قدم بڑھاتا ہے جس میدان میں بھی اتر تا ہے،تو ہر ممکن تدبیر کامیابی کے لئے اختیار کرتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں جتنے بھی میدان ہے جن کے اندر آدمی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو، چاہے وہ تعلیم کا میدان ہو، ملازمت اورنوکری حاصل کرنے کا میدان ہو،تجارت کا میدان ہوحکومت حاصل کرنے کا میدان ہو،تو ہر کسی کے لئے کامیابی ممکن ہی نہیں، کہیں تو عادتاً ممکن نہیں ،اور کہیں عقلاً ممکن نہیں۔ دو آدمی میدان میں اتر گئے، ظاہر بات ہے دو میں سے ایک کے لئے جیت ہے ایک کے لئے ہار ہے یقیناً،تعلیم کے میدان میں اتر گئے، تجارت کے میدان میں اتر گئے،تو جس درجے کی کامیابی چاہتا ہےتو عادتاً ہر کسی کے لئے ایسی ہے نہیں ،لیکن اس کے باوجود انسان جس میدان میں اتر تا ہے اس میں کامیابی کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا ہے،اور ناکامی سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا ہے،حالانکہ دنیا میں جتنے بھی میدان ہیں انسان کے اترنے کے لئے وہ سب وقتی اور وقت کی ضرورتیں ہیں اور اگر آدمی اس میدان میں نہ بھی اترا تب بھی کوئی مسئلہ نہیں، لیکن ایک ایسا میدان جس میدان میں ہم سب

اترے ہیں اور جس میدان میں اترنا ہم سب پر فرض ہے اور جس میدان میں اترنے کے بعد ہر کسی کے لئے کامیابی کے امکانات ہیں اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا کام کرنا ہی نہیں پڑتا کہ انسان کہے کہ میں کامیابی تو حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے بس میں نہیں، وہ ہے اللہ کی عبادت اور بندگی کا میدان، اور اصل میں اللہ پاک نے ہمیں اسی لئے پیدا کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الزاریات:۵۶)

پیدا ہی اسی لئے کیا لیکن یہاں ہر انسان ہر ممکن تدبیر اختیار نہیں کرتا، ہم نحو صرف وغیرہ پڑھتے ہیں یہ نحو صرف کا پڑھنا اپنی ذات کے اندر مطلوب نہیں، بلکہ قرآں کو سمجھنے کے لئے ہے، اور قرآن کا سمجھنا اس لئے نہیں کہ ہم تکرار کریں ہم صرف پڑھائیں وغیرہ وغیرہ، بلکہ اس قرآن کو سمجھ کر اپنی عملی زندگی کے ہر شعبہ میں جگہ دیں، ہمارے عربی طلباء پڑھتے ہیں کہ التقديم ما حقه التاخير يفيد الحصر کہ جس کو بعد میں لانا چاہئے تھا اس کو پہلے لایا یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں پڑھتے ہیں ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تو یہ صرف تکرار کے لئے نہیں سمجھنے کے لئے اور پھر اپنے آپ کو اس میں پرکھنے کے لئے ہے۔ ابھی قرآن مقدس کی مبارک سورۃ تلاوت کی گئی نماز میں اس میں ایک آیت ہے: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (نبا:۳۱) یقینا ظاہر بات ہے عربی طلباء جانتے ہیں۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور مَفَازًا اس کا اسم ہے، اور لِلْمُتَّقِيْنَ یہ آگے چل کر خبر بنے گی اور اصل اسم کی تقدیم کہ حرف مشبہ بالفعل کا اسم پہلے آتا

ہے اور خبر بعد میں لیکن یہاں خبر پہلے لائی گئی تو کیا مطلب اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا یقیناً بلا شبہ متقین کے لئے ہی کامیابی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے کہ غیر متقین کے لئے کامیابی نہیں ہے۔

تو یہ تو حصر ہے، متقین کے لئے ہی۔ اب متقین بننے کے لئے ہم کس قدر کوششیں کر رہے ہیں اور اس کوشش میں ہم کہاں تک پہنچ چکے ہیں، ہر بندے کو اپنی جگہ سوچنا چاہئے اور یہ کامیابی اور اللہ تعالیٰ بچائے اس کے مقابلے میں ناکامی یہ کوئی ایسی ناکامی تو ہے نہیں انسان کہے کہ کامیاب نہیں ہوا تو ناکام ہوا، ایمان والا بندہ ایسی ناکامی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہاں تو کامیابی کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اگر کامیابی نہیں تو جہنم ہے، اللہ تعالیٰ جہنم سے بچائے۔ اب بندہ سوچے متقین کے لئے جس تقوی کی ضرورت ہے وہ تقوی میری زندگی کے سارے شعبوں میں ہے کہ نہیں اور میرے بدن کے اعضاء میں ہے کہ نہیں، میری آنکھوں کے اندر تقویٰ ہے کہ بدنگاہی سے بچوں، میرے زبان کے اندر تقوی ہے کہ غیبت، جھوٹ، بہتان تراشی، اور لغویات سے بچوں، میرے ہاتھ پاؤں میں تقویٰ ہے کہ کسی غلط کام کی طرف چلنے سے اپنے آپ کو بچاؤں،، کسی غلط اور حرام کردہ چیز کو چھونے سے اپنے ہاتھوں کو بچاؤں میرے کانوں کے اندر تقویٰ ہے کہ میں ان کے غلط استعمال سے ان کانوں کے ذریعہ سے برا سننے سے بچوں، اور تقوے کا مرکز دل ہے میرے دل کے اندر خوف خدا ہے کہ میرا دل کسی غلط خواہش کے اندر، کسی غلط تعلق کے اندر خدانخواستہ مبتلا

تونہیں؟ میری تجارت کے اندر تقویٰ ہے؟ کمائی کے اندر تقویٰ ہے؟ خرچ کے اندر تقویٰ ہے؟ میرے معاملات میں تقوی ہے؟ میری معاشرت میں تقوی ہے؟ میرے اخلاق میں میرے رہن سہن میں تقوی ہے؟۔

تو اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا یقیناً متقین کے لئے ہی کامیابی ہے۔تو ہم میں سے ہر ایک کو بے چین ہونا چاہئے کہ کونسا وہ دن آئے۔کہ ان متقین میں شامل ہوجاؤں۔اوراس کا اصل فیصلہ تو مرنے کے بعد ہوگا لیکن بندہ دنیا کے اندر ہر ممکن تدبیر اختیار کرے۔اور یہ متقین بننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا کام بندے کے ذمہ یا کسی ایسے کام سے بچنا بندے کے ذمہ رکھا ہی نہیں جو بندہ کے بس میں نہ ہو،سب کچھ بندے کے بس میں ہے،ہاں تھوڑی فکر کرنے کی کوشش کرنی ہے،اللہ کی مدد مانگتا ہوا بندہ آگے بڑھتا رہے،تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی حقیقی معنیٰ میں تقویٰ عطا کریں آپ حضرات کو بھی اور ساری امت کو بھی عطا کریں۔آمین۔

توبہ میں دیر نہیں

تھوڑی حیثیت اور تھوڑے درجے کی ماتحتی ہو اور پھر اس ماتحت کی طرف سے اپنے اس افسر یا اپنے اس بڑے کے منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو جائے، اور اسے لگے کہ شام تک تو کسی نہ کسی وقت اسکا سامنا ہوگا۔ وہ بے چین، بے قرار ہوتا ہے، اور اس کوشش میں ہوتا ہے کہ اس کا سامنے ہونے سے پہلے پہلے کوئی نہ کوئی تلافی کی صورت ہو جائے، کیوں کہ سامنا کرنا پڑتا ہے، حالانکہ وہ ماتحتی اس درجے کی نہیں ہوتی کہ وہ افسر ناراض ہوا تو اس کی ملازمت جائے گی، اس کا کھانا پینا بند ہو جائے گا، وہ اس کو ایسا ضرر پہنچا سکتا ہے کچھ ایسا نہیں ہوتا، لیکن ذرا سی اس کو فوقیت ہے، وہ اس کا افسر ہے یہ ذرا ماتحت قسم کا ہے، ذرا سا اس فرق کی وجہ سے اس پر اتنا اثر کہ اگر اس کو لگا کہ میری فلاں بات میرا فلاں طرز عمل، اس افسر کو، اس بڑے کو، اس استاذ کو ناگوار گذرا ہوگا، یقینی نہیں ہے، اب اس کا سامنا کرنا ہے چاہتا ہے کہ اس کو سامنا ہونے سے پہلے پہلے کوئی تلافی کی صورت ہو جائے، کبھی کسی کو بیچ میں واسطہ ڈالا، کوئی سفارش کا طریقہ وہ سوچتا ہے۔

اول تو ہمارا اللہ کا سامنا ہر وقت ہے، وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے

، ہماری ہر نقل و حرکت کو دیکھتا ہے ہمارے دل کے اندر اٹھنے والے جذبات سے باخبر ہے، ہمارا کوئی معاملہ اس سے پوشیدہ نہیں اول تو اس کا ہر وقت سامنا ہے لیکن پھر کچھ مواقع ایسے ہیں جس میں اللہ کا خاص سامنا ہوتا ہے اس کی سب سے اہم شکل نماز ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں ہوتا ہے گویا اللہ کے سامنے ہوتا ہے اس کی شان کے مطابق اگر دو نمازوں کے درمیان بندے سے کوئی غلطی کوتاہی ہوجائے تو آنے والی نماز میں اللہ کا سامنا کرنے سے پہلے تلافی کرے۔ دنیا کے حاکموں، دنیا کے افسروں دنیا کے بڑوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ چند باران کے منشاء، ان کی مرضی اوران کے حکم کے خلاف ہوجائے تو ایک بار، دو بار، تین بار، چار بار، اس بعد آدمی خود ہی شرماتا ہے ، شرم آتی ہے بیچارے سے شام کو بھی معافی مانگی انہوں نے معاف کیا۔ پھر مانگی پھر معاف کیا، آخر کب تک، اور اگر ہمت کرلی تو بعض مرتبہ بڑا ابھی یہ کہتا ہے کہ بار بار معافی کو کھیل بنایا ہے، لیکن اللہ کی شان "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ مَآ اَحْلَمَ اللّٰهُ" کس قدر کریم کس قدر بردبار، حکم دیتا ہے جب بھی کوتاہی ہوجائے فوراً توبہ، استغفار کریں اور جلدی کریں۔ رات میں غلطی ہوگئی دن آنے سے پہلے پہلے بھیج دو ہماری بارگاہ میں درخواست معافی کی ، اور دن میں ہوگیا رات کے آنے سے پہلے پہلے معاملہ صاف کرو۔ تو اللہ کا سامنا اول تو ہر وقت ہے پھر نمازوں میں خاص شان کا سامنا ہوتا ہے۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ اس سامنا ہونے کا شعور ہم کو عطا کردیں۔

اس لئے بندہ کو چاہئے کہ اول تو کوتاہیوں سے بچیں، پھر اللہ کا سامنا نماز کی شکل میں ہوتا ہے اور رات دن میں الحمد اللہ ثم الحمد للہ، اللہ کا سامنا پانچ بار ہوتا ہے، یہ اللہ کا کس قدر عظیم کرم ہے کہ ہم کسی بھی حال میں ہوں اس حال میں بھی ہم اللہ کے سامنے آسکتے ہیں۔ مجرم سے مجرم خطا کار سے خطا کار، سیاہ کار سے سیاہ کار، بدکار سے بدکار، اللہ بچائے ہر طرح کی بدکاری کا بھی مرتکب ہو، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے سامنے آنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ سامنے آنے کو فرض قرار دیا کہ بس وضو کر کے آجاؤ، ہمارے گھر آجاؤ، کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہمارے گھر آجاؤ۔

تو یہ سامنا جو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہوتا ہے اس کا استحضار اور اگر دو نمازوں کے درمیان کوئی کوتاہی ہو جائے تو نماز سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ اس سامنا ہونے کا احساس مجھے بھی عطا کریں آپ حضرات کو بھی عطا کریں۔ آمین۔

قرآن مقدس کی عظمت

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے قرآن مانگنا

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:؎

فاش گویم آنچہ دردل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزِ دیگر است

کہ میں صاف صاف کہہ رہا ہوں، واضح طریقہ پر کہہ رہا ہوں، جو کچھ دل میں پوشیدہ ہے۔ کیا کہہ رہا ہوں، اس قرآن کے بارے میں:

ایں کتابے نیست (یہ کتاب نہیں ہے عام کتاب) چیزے دیگر است (یہ کچھ اور ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہم کو نصیب کرے۔ قرآن خود اپنا تعارف کرا رہا ہے۔ اگر اس آیت کے اندر ہم غور کریں کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے؟

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۔قرآن خود کہہ رہا ہے۔لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے) قرآن اپنے بارے میں کہہ رہا ہے عَلٰی جَبَلٍ (کسی پہاڑ پر) لَرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (اے مخاطب آپ اس پہاڑ کو دیکھتے کہ اللہ کی خشیت سے دب جاتا، پھٹ جاتا)۔ اللہ خود

کہتے ہیں: تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ، (یہ ہیں اللہ کی آیات) تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ، یہ بھی اللہ کی آیت ہے خود اپنے بارے میں بولتے ہیں تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ (یہ اللہ کی آیات ہیں) نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ (اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم اس کی تلاوت آپ کے سامنے کررہے ہیں)۔ بندہ قرآن کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے۔ قرآن اللہ کی ذاتی صفت ہے۔ امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ بندہ اللہ کا قرب اتنا کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرسکتا جتنا اس چیز کے ذریعہ سے جو اللہ کی ذات سے نکلی ہوئی ہے اور وہ قرآن ہے[1]۔ کتنا عظیم فضل ہے اللہ نے ہم کو قرآن دیا، ہمارے دلوں پر قرآن کو یاد کرنا نصیب کیا، ہماری زبانوں پر قرآن پڑھنا آسان کردیا، قرآن کا سننا ہمارے لئے مقدر کیا، پھر آگے عظیم احسان کیا علماء پر طلباء پر کہ قرآن سمجھنا نصیب کیا، اس پر بہت زیادہ اللہ کا شکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس نعمت کو بہت زیادہ قدردانی کرنے کی ضرورت ہے، شکر کرنے کی ضرورت ہے اس قرآن کے اندر غور کرنے کی ضرورت ہے اور جس طرح پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر قرآن اترا لیکن اس کے باجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طرح اللہ سے قرآن مانگ رہے ہیں۔ کیا کیا واسطے دے رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْأَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّكَ وَاِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِكَ وَ مُوْسٰی نَجِیِّكَ وَعِیْسٰی رُوْحِكَ وَكَلِمَتِكَ وَ بِكَلَامِ مُوْسٰی وَاِنْجِیْلِ عِیْسٰی وَ زَبُوْرِ دَاوٗدَ وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ صَلَى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبِكُلِّ وَحْیٍ اَوْحَیْتَهٗ اَوْ قَضَآءٍ قَضَیْتَهٗ اَوْ

[1]۔ عن زید بن ارطاة، عن ابی امامة، قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: " ما اذن الله لعبد فی شیء افضل من رکعتین یصلیهما، وإن البر لیذر علی راس العبد ما دام فی صلاته، وما تقرب العباد إلی الله بمثل ما خرج منه "، قال ابو النضر: یعنی القرآن،۔۔۔ رواه الترمذی کتاب فضائل القرآن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

سَآئِلٍ اَعْطَیْتَہٗ اَوْ فَقِیْرٍ اَغْنَیْتَہٗ اَوْ غَنِیٍّ اَفْقَرْتَہٗ اَوْ ضَآلٍّ ھَدَیْتَہٗ........الخ[1]

اتنے واسطے دے کر مانگ کیا رہے ہیں: اَنْ تَرْزُقَنِی الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ میرے اللہ یہ سارے واسطے دے کر آپ سے قرآن مانگ رہا ہوں آپ مجھے قرآن نصیب کیجئے جو نازل ہو چکا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، پھر مانگ رہے، پھر مانگ رہے ہیں اور کس طرح مانگ رہے ہیں وَ تَخْلِطَہٗ بِلَحْمِیْ وَ دَمِیْ وَسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ اے اللہ میں ایسے مانگتا ہوں کہ آپ کا یہ قرآن میرے خون میں، میری ہڈیوں میں، میرے گوشت میں، میری آنکھوں میں، کانوں میں رچ بس جائے اور یہ سوال کرتا ہوں کہ وَ تَسْتَعْمِلَ بِہٖ جَسَدِیْ میرے پورے وجود کو آپ قرآن کے ذریعہ استعمال کریں میری آنکھیں قرآن، میری زبان قرآن کے ساتھ، میرے کان، میرے ہاتھ میرا دل میرا دماغ۔ ہر چیز قرآن کے مطابق استعمال ہو۔ اَللّٰھم أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَكَ اے اللہ ہر اس نام کا واسطہ دے کر آپ سے سوال کرتا ہوں جو تیرا نام ہے۔ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَكَ جس نام کے ساتھ آپ نے اپنی ذات کو موسوم کیا أَوْ عَلَّمْتَہٗ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اور اس نام کا واسطہ دے کر جو آپ نے کسی ایک کو اپنی مخلوق میں سے سکھایا سب کو نہیں بتایا أَوْ أَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِكَ

---

[1] ۔ [عن أبی بکر الصدیق:] أنّ أبا بکرٍ أتی النّبیّ ﷺ فقال إنِّی أتعلّمُ القرآنَ ویتفلّتُ منِّی [فعلّمه أن یقولَ] اللّھمّ إنِّی أسأَلُك بمحمَّدٍ نبیِّك وإبراھیمَ خلیلِك وموسی نجیِّك وعیسی کلمتِك وروحِك وبتوراةِ موسی وإنجیلِ عیسی وزبورِ داودَ وفُرقانِ محمَّدٍ ﷺ وعلیھم أجمعین وبکلِّ وحيٍ أوحیتَه أو قضاءٍ قضیتَه أو سائلٍ أعطیتَه أو فقیرٍ أغنیْتَه أو ضالٍّ ھدیْتَه وأسأَلُك باسمِك الَّذی أنزلتَه علی موسی وأسأَلُك باسمِك الَّذی بثثتَ به أرزاقَ العبادِ وأسأَلُك باسمِك الَّذی وضعتَه علی الأرضِ فاستقرَّت وأسأَلُك باسمِك الَّذی وضعتَه علی السَّماواتِ فاستقلَّت وأسأَلُك باسمِك الَّذی وضعتَه علی الجبالِ فرَسَت وأسأَلُك باسمِك الَّذی استقلَّ به عرشُك وأسأَلُك باسمِك الطُّھرِ الطّاھرِ الأحدِ الصَّمدِ الوِترِ المُنزَّلِ فی کتابِك من لدنك من النُّورِ المبینِ وأسأَلُك باسمِك الَّذی وضعتَه علی النَّھارِ فاستنار وعلی اللَّیلِ فأظلم وبعظمتِك وکبریائِك وبنورِ وجھِك الکریمِ أن ترزقَنی القرآنَ والعلمَ به وتخلِطَه بلحمی ودمی وسمعی وبصری وتستعمِلَ به جسدی بحولِك وقوَّتِك فإنّه لا حولَ ولا قوَّةَ إلّا بك یا أرحمَ الرّاحمین. العراقی (ت۸۰۶)، تخریج الإحیاء ۱/۴۱۶؛ السیوطی (ت۹۱۱)، اللآلئ المصنوعة ۲/۳۵۷

اوراس نام کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب میں اتارا أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اور یا اللہ اس نام کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ نے اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے کسی کو نہیں بتایا۔۔اللہ اکبر۔۔ اتنے واسطے دیکر پھر کیا عرض کر رہے ہیں: أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّي۔[1] میرے اللہ اس قرآن کو میری دل کی بہار بنادے، میرے آنکھوں کا نور بنادے، میرے غموں کا مداوا بنادے۔آپ قرآن اتر کر قرآن مانگ رہے ہیں۔اللہ اکبر۔کس انداز سے، کس شان سے مانگ رہے ہیں۔

امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان عظیم مبارک، مقدس، دعاؤں کے آئینہ میں اور اسکی روشنی میں ہم کو اپنا تعلق قرآن کے ساتھ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ سے والہانہ انداز میں، تنہائیوں میں اللہ سے قرآن مانگنے کی ضرورت ہے ۔یہ مانگنے کی ضرورت ہے کہ میرے اللہ میرے دل کو قرآن کے لئے کھول دیجئے، یہ مانگنے کی ضرورت ہے کہ یا اللہ اس قرآن کو میرے دل پر کھول دے، قرآن کے ساتھ تعلق یہ اللہ کے ساتھ بلا واسطہ تعلق ہے۔

اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائے۔بے ادبیوں کو اللہ معاف کردے۔آمین۔ اللہ اکبر کبیرا۔

---

[1] ۔ [عن عبد الله بن مسعود:] اللهمَّ إنِّي عبدُك، ابنُ عبدِك، ابنُ أَمَتِك، ناصيتي بيدِك، ماضٍ فيَّ حُكمُك، عدلٌ فيَّ قضاؤُك، أسألُك اللهمَّ بكلِّ اسمٍ هو لك سمَّيتَ به نفسَك، أو أنزلته في كتابِك، أو علَّمته أحدًا مِن خلقِك، أو استأثرت به في علمِ الغيبِ عندَك، أن تجعلَ القرآنَ ربيعَ قلبِي، ونورَ صدرِي، وجلاءَ حزني، وذهابَ همِّي وغمِّي.
ابن عثيمين (ت ١٤٢١)، مجموع فتاوى ابن عثيمين ١٧/٣٦٦ • إسناده صحيح • أخرجه أحمد (٣٧١٢)، وابن حبان (٩٧٢)، والبزار (١٩٩٤).

غفلت کی قسمیں

غافل دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جس کو اپنی غفلت کا احساس ہو اور اپنی غفلت کو دور کرنے کے لئے فکر مند ہو کوشش میں ہو اور دوسرا وہ غافل جو اپنے غافل ہونے سے بھی غافل ہو، اس کو یہ بھی احساس نہیں کہ میں غفلت میں پڑا ہوا ہوں، یہ بدترین غفلت ہے۔ غفلت تو بہرحال ہے ہی بری چیز لیکن آدمی کو اپنے غافل اور اپنی غفلت کا احساس بھی نہ ہو یہ زیادہ بدترین حالت ہے۔ آدمی کے اندر کوتاہیاں ہوں، غلطیاں ہوں اور اپنی غلطیوں کا احساس ہو اور ان کے دور کرنے کی فکر میں ہو، اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہو، معافی مانگتا ہو۔ اور ایک ایسا گناہگار جو گناہ کرتا ہے، لیکن اس کو اپنے گناہ گار ہونے کا احساس ہی نہیں کہ میں اپنے رب کو ناراض کر رہا ہوں، میرے فرشتے میرے ہر عمل کو لکھ رہے ہیں اس کا احساس نہیں یہ حالت اور بھی زیادہ بدتر ہے۔ ہر آدمی کو چاہیئے کہ اپنے بارے میں غور کرے کہ میں خدانخواستہ غفلت میں پڑا ہوا تو نہیں! کہیں ایسا تو نہیں کہ میں غفلت میں پڑا ہوا ہوں اور مجھے اپنی غفلت میں پڑے ہونے کا احساس بھی نہ ہو۔

غفلت کی بہت صورتیں ہیں، بعض غفلتیں تو وہ ہیں کہ آدمی گناہ کرتا ہے

اور احساس بھی نہیں ہوتا اور بعض غفلتیں یہ ہیں کہ اللہ کے حکموں کو بجا نہیں لاتا اور لاتا بھی ہے تو بس ایک خانہ پوری کے طریقے پر اور بہت ساری غفلتیں خصوصیت کے ساتھ نمازوں سے غفلت، نماز سے غفلت بدترین غفلت ہے اور وہ بھی بڑوں کی طرف سے۔ ماں باپ جب نمازوں کے سلسلے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہوں تو اولاد پر ظاہر ہے کہ اثر پڑے گا۔ گھر کا بڑا ہو، ادارے کا بڑا ہو، استاد ہو، بڑا بھائی ہو، گھر کا ذمہ دار ہو، جب اس کی طرف سے غفلت کا مظاہرہ ہو، تو چھوٹوں پر اس غفلت کا بدترین اثر پڑے گا۔ یا تو وہ خود غفلت کے شکار ہوں گے یا اپنے بڑوں کے بارے میں بدظنی پیدا ہوگی۔ یہ بھی بہت بڑا خسارہ اور بہت بڑا نقصان ہے۔اس لئے ہر آدمی اپنے بارے میں سوچے کہ کہیں میں غفلت میں پڑا ہوا تو نہیں، جب ہم غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی اعتبار سے غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ جب آدمی فکر کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نکلنے کی بھی توفیق عطا فرماتے ہیں نکلنے کا راستہ بھی دکھا دیتے ہیں، لیکن جب احساس ہی نہیں ہوگا۔ یہ حالت زیادہ بری ہے۔

تو ہر آدمی اپنی جگہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنا محاسبہ کیا کرے۔ اللہ مجھے بھی اپنا محاسبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ حضرات کو بھی۔ اللہ میری غفلت کو بھی دور فرمائیں اور آپ حضرات کی بھی غفلت کو دور فرمائیں۔ آمین۔

احسان فراموشی

جب کوئی بڑا کسی چھوٹے پر کوئی خاص قسم کا احسان کرے اور پھر چھوٹے کی طرف سے احسان فراموشی کا معاملہ ہواور دل دکھانے کا معاملہ ہو، تو بعض مرتبہ وہ بڑا شکایت کرتا ہے کہ یار میں نے تمہارے ساتھ فلاں فلاں معاملہ کیا اور تم ہو کہ اس طرح کا معاملہ کرتے ہو حالانکہ بندوں کو احسان جتلانے کا حق نہیں، البتہ احساس دلانے کے لئے آدمی کہے تو کوئی حرج نہیں۔ ایک ہے احسان جتلانا اور ایک ہے احساس دلانا ، باپ اولاد کو یہ احساس دلا دے کہ بیٹا ہم تمہارے لئے اتنی محنت کرتے ہیں، خود مزدوری کرتے ہیں، خود کھانے پینے میں تنگی کرتے ہیں اور تمہارے اوپر خرچ کرتے ہیں تا کہ تم ڈاکٹر بن سکو اور تم ہو کہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ احسان جتلانا نہیں بلکہ احساس دلانا ہوتا ہے۔ احسان جتلانا کسی بھی بندے کے لئے جائز نہیں۔

ہاں احسان جتلانے کا اللہ پاک کو حق ہے، جیسے دنیا میں کوئی بڑا اپنے چھوٹے پر کوئی خاص عطا کا معاملہ، کوئی خاص عنایت کا معاملہ کرے اور پھر چھوٹے کی طرف سے احسان فراموشی کی بات ہو تو احساس دلانا کہ فلاں موقع پر فلاں چیزیں تم کو دیں اور تم ہو کہ اس طرح کی حرکتیں کرتے ہو۔

تو اللہ تعالیٰ بھی قرآن پاک میں اپنے بندوں کو بذریعہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف انداز سے سمجھاتے ہیں۔ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ ﴿الملك: ٢٣﴾ کہو

میرے بندوں سے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ کان اور سماعت تم کو عطا کی تمہیں آنکھیں دے دی دیکھنے کی قوت دے دی وَالْأَفْئِدَةَ تمہیں دل دے دیا، کتنی عظیم نعمتیں دیں، لیکن ان عظیم نعمتوں کے باوجود قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ اتنی بڑی نعمتوں پر ان کے بقدر شکر بھی چاہئے تھا اور شکر کرتے تو اللہ تعالیٰ اور اضافہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری آنکھیں دیں ان ظاہری آنکھوں کا شکر بندہ کرے اور ان کا صحیح استعمال کرے اور غلط استعمال سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے آپ کو بچائے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ جہاں اور احسان کریں گے تو ان ظاہری آنکھوں کے ساتھ ساتھ باطنی آنکھیں بھی عطا کریں گے، وہ ان ظاہری آنکھوں کے ساتھ ساتھ باطنی آنکھوں کو کھول دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ بصیرت عطا فرماتے ہیں اور جب خدانخواستہ ظاہری آنکھوں کا غلط استعمال ہوتا ہے تو پھر باطنی آنکھیں بھی اندھی ہوجاتی ہے۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿الحج: ۴۶﴾ کہ اندر کی آنکھیں اندھی ہوگئی ظاہراً تو دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کان کی نعمت عطا کی تو اس کا شکر کرے تو اللہ تعالیٰ باطنی قوت سماعت عطا فرماتے ہیں، اب ظاہری کانوں سے تو آدمی اللہ کا کلام سنتا ہے لیکن اثر نہیں ہوتا، چونکہ ظاہری کانوں کا غلط استعمال ہوا ہے، اس لئے باطنی کانوں سے بہرا ہے۔ ہاں اگر ظاہری کانوں کا، ظاہری آنکھوں کا اور ظاہری اعضاء کا صحیح استعمال کرے گا تو پھر باطن سے سننا نصیب ہوگا۔ وہی قرآن کی آیتیں کبھی سنتا ہے آدمی لیکن ایسا لگتا ہے کہ جیسے سنا ہی نہیں اور کبھی اسی آیت کو سن کر اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے۔

تو لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ میں جہاں اور چیزیں ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے

آنکھیں ظاہری دے دیں ان کا شکر ادا کرو گے تو باطنی آنکھوں کو کھول دیں گے۔ ظاہری کان دئے ان کا شکر ادا کرو گے ان کا صحیح استعمال کرو گے تو باطن کے اندر سننے کی قوت دیں گے جس کی وجہ سے باطن سے قرآن سنو گے۔ سنتا تو ہر ایک ہے، لیکن قرآن پاک نے کیا فرمایا: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿البقرة: ۷﴾

اللہ پاک نے ان کی آنکھوں پر بھی پردہ، کانوں پر بھی پردہ، دلوں پر بھی پردہ ان کے اعمال بد کے سبب ڈال رکھا ہے۔ مومن بندہ بھی جب اپنے آپ کو گناہوں سے نہیں بچاتا تو پھر اندر کی جو بینائی ہوتی ہے وہ سلب کی جاتی ہے، اس کو احساس نہیں ہوتا، اس لئے جہاں طلباء کو قرآن پاک کے ظاہری معنی کی تفسیر کو اور دوسری چیزوں کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ اور بہت زیادہ ضرورت ہے کہ اپنے دل کو صاف و شفاف رکھیں، کانوں کے ذریعہ، آنکھوں کے ذریعہ، زبان کے ذریعہ، دیگر اعضاء و جوارح، دل و دماغ کے ذریعہ اندر گندگی نہ جانے پائے، یہ گندگی جب جاتی ہے تو دل کے اندر پردہ پڑ جاتا ہے پھر سننے کے باوجود سننا نصیب نہیں ہوتا، دیکھنے کے باوجود دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔

فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ کہو اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ سننے کی دیکھنے کی سمجھنے کی قوت دے دی، لیکن قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ و تبارک و تعالیٰ مجھے بھی، آپ حضرات کو بھی اپنا شکر گزار بندہ بنائے۔ آمین۔

عوام کے سامنے مکاشفات نہیں، بلکہ ٹھیٹھ دین کی بات بیان کرنی چاہیے

04 جون 2023 کو حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے کچھ نوجوانوں کے سامنے یہ ارشادات بیان فرمائے، افادیت عام کے لیے اسکو اس کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو پڑھا کریں۔ تصوف وسلوک کس چیز کا نام ہے؟ اصلاح وتزکیہ کس چیز کا نام ہے؟ معلوم ہوجائے گا۔ بعض مرتبہ ہم بھی گڑبڑ کردیتے ہیں، حقیقت سے ناواقف ہیں، غلو کا شکار ہوجاتے ہیں مثلاً پیر کے مرتبہ کو بڑھا کر العیاذ باللہ پیغمبر کے مقام تک پہنچادیتے ہیں۔ یہ گمراہی ہے! پیر و مرشد اس لئے اختیار کرتے ہیں تاکہ شریعت پر چلنا آسان ہوجائے۔ پیر شریعت سے ہٹ کر کوئی نئی چیز نہیں بتاتا۔

ہمارے ایک دوست ہیں، اہل علم میں سے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ کسی بزرگ کا مکاشفہ بیان کیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ عوام میں بولنے کی چیزیں نہیں ہے۔

عوام کو مکاشفوں کے نام پر غلط فہمی کا شکار نہ کریں

ابھی یہ ہمارے دوست زید یہیں ہیں، اس نے مجھے اعتکاف میں لکھا کہ فلاں بزرگ کا شب قدر کے تعین کے متعلق یہ مکاشفہ ہے، میں نے اس سے کہہ دیا کہ مکاشفہ فقط مکاشفہ ہوتا ہے اسکی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی۔ ہمارے سامنے قرآن ہے، ہمارے سامنے حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت ہے، صحابہؓ کی سیرت ہے، صحابہؓ کی زندگی کے احوال ہیں، اُن کو اپنا رہبر بنائیں، اُنکے پیچھے چلیں اور اُن لوگوں کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں جو زندگی قرآن کے مطابق، سنت کے مطابق، سیرت کے مطابق، صحابہ کی سیرت کے مطابق جیتے ہیں، اُن کو ہی اپنا رہبر بنائیں، اُن کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اسی کا شریعت میں بھی حکم ہے اور مکاشفات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے! مکاشفات کے نام پر بہت لوگ غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔ کشف کا انکار نہیں ہے، ہوتا ہوگا کشف، وہ ایک ذاتی چیز ہے عوام کے سامنے پیش کرنے کی چیز نہیں ہے۔ مجھے بعض اہل علم کا بُرا لگتا ہے جب وہ عوامی مجالس میں مکاشفات بیان کرتے ہیں، اس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ عوام کے سامنے ٹھیٹھ دین کی بات بیان کرنی چاہیئے، صاف دین کی بات کرنی چاہیے۔ ہمارے حضرت مولانا حمید اللہ صاحب کبھی ایک خطبہ پڑھتے ہیں، **ترکتکم علی البیضاء**[1] کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو ایک ایسے روشن

---

[1] عن العرباض بن سارية قال: وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم موعظة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقلنا يا رسول الله إن هذه لموعظة مودع فماذا تعهد إلينا؟ قال: " قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها بعدي إلا هالك، من يعش منكم فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بما عرفتم من سنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ، وعليكم بالطاعة وإن عبدا حبشيا، فإنما المؤمن كالجمل الأنف حيثما قيد انقاد." قال الشيخ الألباني: صحيح. (رواه ابن ماجه)

راستے پر چھوڑا "لَيۡلِهَا كَنَهَارِهَا" اُسکی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تَرَكۡتُ فِيكُمۡ أَمۡرَيۡنِ[1] میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کے جاتا ہوں "لَنۡ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكۡتُمۡ بِهِمَا" جب تک تم انکو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہو جاؤ گے " كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رسوله" کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور ایک حدیث میں ہے اسکے علاوہ جو ہدایت تلاش کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ اور پیری مریدی کا اصل مقصد اصلاح نفس ہے۔ اصل ہے اصلاح، اصل ہے تربیت۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا، علماء کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، اُسکے فوائد سے انکار نہیں ہے اسکی بہت اہمیت ہے، ہاں اسکا مقصد اپنی اصلاح و تربیت ہے۔ حضرت تھانوی کی ایک کتاب ہے اسکا نام ہے "تسہیل قصد السبیل" یہ کتاب سب کو پڑھنی چاہیئے، یہ کتاب پڑھنے سے واضح ہو جائے گا کہ پیری مریدی کا اصل مقصد کیا ہے۔ پیر کیسے شخص کو بنانا چاہیئے۔ پیر کے اندر کیا کیا علامات ہونی چاہیئے۔ پیر بنانے کا مقصد کیا ہے۔ جب آدمی کو مقصد ہی معلوم نہیں بس چلتا جا رہا ہے سالہا سال سے کشف و کرامات کو مقصد سمجھ کر۔ اگر بندہ پابندئ شریعت کو چھوڑ کر کسی کے کشف و کرامات کو دیکھ کر پیچھے پیچھے چلے گا تو فائدے کی بجائے نقصان ہی اٹھائے گا۔

---

[1]۔ وَحَدَّثَنِي عَنۡ مَالِك أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: »تَرَكۡتُ فِيكُمۡ أَمۡرَيۡنِ لَنۡ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكۡتُمۡ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ۔ الموطأ للإمام مالك، كتاب القدر، باب النهى عن القول بالقدر، ص 564.

مناجات

مجھے زندگی میں یا رب سر بندگی عطا کر
میرے دل کی بے حسی کو غمِ عاشقی عطا کر

تیرے درد کی چمک ہو، تیری یاد کی کسک ہو
میرے دل کی دھڑکنوں کو نئی بے کلی عطا کر

جو تجھی سے لو لگا دے جو مجھے میرا پتا دے
میرے عہد کی زباں میں مجھے گمرہی عطا کر

میں سفر میں سو نہ جاؤں، میں یہیں پہ کھو نہ جاؤں
مجھے ذوق و شوقِ منزل کی ہما ہمی عطا کر

بڑی دور ہے ابھی تک رگِ جان کی مسافت
جو دیا ہے قرب تو نے تو شعور بھی عطا کر

بھری انجمن میں رہ کر نہ ہوا آشنا کسی سے
مجھے دوستوں کے جھرمٹ میں وہ بے کسی عطا کر

مجھے تیری جستجو ہو، میرے دل میں تو ہی تو ہو
میرے قلب کو وہ فیضِ درِ عارفی عطا کر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم



دار العلوم بلالیہ

آغاز: ۲۵/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ — مطابق مئی 1991ء

ایک نظر میں

محل وقوع: احمد اکدل لعل بازار سرینگر و اشرف آباد کھمبر سرینگر

دار العلوم بلالیہ کا قیام آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے ہوا ہے وہ بھی ایک صاحب خیر کے ذاتی مکان میں اور مستقل ایک طالب علم سے، محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے عوام و خواص کا شروع سے ہی تعاون شامل رہا ہے۔ آج الحمدللہ دار العلوم بلالیہ کا شمار ریاست کے اہم مدارس میں ہوتا ہے۔ جہاں حفظ و ناظرہ، تجوید و قراءت، فارسی، عربی اول تا دورہ حدیث و افتاء تک کی تعلیم کا مکمل نظم ہے جس کے لئے مدرسہ میں قیام پذیر تقریباً نو سو طلباء کرام کی تعلیم و تربیت کے علاوہ ان کا خرد و نوش اور دیگر ضروریات روزمرہ کا انتظام ادارہ کی جانب سے مفت کیا جاتا ہے اور ان امور کی انجام دہی کے لئے ایک سو سے زائد افراد پر مشتمل عملہ ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔ جبکہ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر پورے سال کچھ نہ کچھ تعمیری سلسلہ جاری رہتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس عظیم دینی سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے اپنے بھرپور تعاون سے ادارہ کی معاونت فرمائیں۔

For Donation

Scan Here

آپ اپنی رقم خود ادارے میں تشریف لا کر پیش فرما سکتے ہیں
یا بذریعہ بنک ادارے کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبرات میں جمع کر سکتے ہیں۔

برائے زکوۃ	**1501010100000284**
برائے امداد	**1501010100000283**
برائے تعمیرات	**1501010100001111**
IFSC CODE: JAKA0EXPORT	

رابطہ نمبرات:

9419018978, 0194-2420536